سہ ماہی

کاروانِ ادب

جلد نمبر ۱۸ اکتوبر-تا-دسمبر ۲۰۱۱ء شمارہ نمبر ۴

فہرست مضامین

اداریہ

منزل بہ منزل — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ۳

شعر و ادب

آتنگ وادی — ڈاکٹر نسیم اقتدار علی ۴

غزل — ڈاکٹر مخمور کاکوروی ۵

غزل — رحمت لکھنوی ۶

غزل — رحمت لکھنوی ۶

حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ پر منعقد سیمینار کے منتخب مقالات

خطبۂ استقبالیہ — مولانا مقبول احمد قاسمی ۷

خطبۂ صدارت — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ۱۰

حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ ... — مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی ۱۵

عرفان محبت آئینۂ عرفان ومحبت — پروفیسر عبدالقادر جعفری ۲۱

عرفان محبت کا رنگ وآہنگ — پروفیسر ظفر احمد صدیقی ۲۴

تزکیہ واحسان کی تعلیم عرفان محبت میں — زین الاسلام قاسمی ۲۹

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ اور... — ڈاکٹر تابش مہدی ۴۰

ایمان افروز شاعری — مولانا محمد اشتیاق قاسمی ۴۵

عرفان محبت — مولانا نیاز احمد بستوی ندوی ۴۷

ادب اسلامی کے ترجمان ذیشان... — مولانا محمد فرمان ندوی ۵۰

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ کی شاعری... — مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی ۵۲

مجلس مشاورت

☆ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، لکھنؤ
☆ مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، لکھنؤ
☆ مولانا محمود الحسن ندوی، دہلی
☆ مولانا حافظ فضل الرحیم
☆ ڈاکٹر محمود الحسن عارف
☆ مولانا محمد سلطان ذوق ندوی

مدیر مسئول

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم شعبۂ برصغیر)

مجلس ادارت

☆ مولانا نذر الحفیظ ندوی، لکھنؤ
☆ ڈاکٹر سید ضیاء الحسن، لکھنؤ
☆ ڈاکٹر شفیق احمد ندوی جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
☆ ڈاکٹر تابش مہدی، دہلی

معاون انتظامی

اقبال احمد ندوی

-: زرتعاون :-

اس شمارہ کی قیمت: ۴۰ روپے، سالانہ برائے ہندوستان ۱۵۰ روپے
پاکستان وبنگلہ دیش: ۳۰۰ روپے یا ۱۰ امریکی ڈالر
ان کے علاوہ دیگر ممالک: ۴۰۰ روپے

چیک یا ڈرافٹ اس نام سے بنائیں
RABITA-AL-ADAB-AL-ISLAMI(INDIA)

-: صدر دفتر :- رابطہ ادب اسلامی (عالمی) پوسٹ بکس ۹۳، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

Designed & Printed at : Mashhud Enterprises Lko. Mob. 9839133588, 9451947786

فہرست مضامین

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ کو تاریخی منظوم خراج عقیدت	علامہ سید عبدالعزیز ظفر جنک پوری	۵۴
تجاویز مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ سیمینار	تجاویز کمیٹی	۵۵
رابطہ ادب اسلامی کی خبریں		
رپورٹ مذاکرۂ علمی بعنوان ''اسلامی ادب میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور اس کے اسلامی اصول واقدار'' منعقدہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل (کرناٹک)	مولانا اقبال احمد ندوی	۵۶
رپورٹ مذاکرۂ علمی بعنوان ''اکبرالہ آبادی اور ان کے معاصر شعراء'' منعقدہ غازیپور (یوپی)	مولانا اقبال احمد ندوی	۶۱
مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ سیمینار کے مقالات کی عربی تلخیص	مولانا محمد فرمان ندوی	۶۵
(تلخيص مقالات عن الندوة الأدبية لرابطة الأدب الإسلامي العالمية	تعريب وتلخيص: محمد فرمان الندوي)	۶۵
افتتاحية العدد	فضيلة الشيخ محمد الرابع الحسني الندوي	۶۶
مكانة العالم الرباني ...	فضيلة الشيخ محمد الرابع الحسني الندوي	۶۷
محمد أحمد البرتاب كرهي و الحب الإلهي	الدكتور سعيد الأعظمي الندوي	۷۱
ديوان عرفان محبت في ضوء العرفان ...	البروفيسور عبد القادر الجعفري	۷۳
الجمال الفني لكتاب عرفان محبت	البروفيسور ظفر أحمد الصديقي	۷۳
درس التزكية و الإحسان في ديوان عرفان محبت	المفتي زين الإسلام القاسمي	۷۴
الشيخ محمد أحمد البرتاب كرهي و كلامه ...	الدكتور تابش مهدي	۷۴
الشعر الإيماني	الأستاذ محمد اشتياق القاسمي	۷۵
تعريف وجيز بديوان عرفان محبت	الأستاذ نياز أحمد البستوي	۷۵
ترجمان الأدب الإسلامي	الأستاذ محمد فرمان الندوي	۷۶
الشيخ الجليل محمد أحمد البرتاب كرهي	الأستاذ محمد أجمل فاروق الندوي	۷۷
قرارات و توصيات	لجنة صياغة القرارات	۷۸

اداریہ

منزل بہ منزل

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جن صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان کے اس زمین پر رہتے ہوئے ان کو جو حالات پیش آتے ہیں، ان کا سامنا کرنے اور اگر مشکل حالات ہیں تو ان کا مقابلہ کرنے میں وہ صلاحیتیں کام آتی ہیں، زمینی زندگی کے مختلف النوع حالات اور ان سے پیدا ہونے والے مختلف تقاضوں کے لحاظ سے، نیز زمانہ اور مقامات کے لحاظ سے بھی جو فرق ہوتا ہے، انسان کو ملی ہوئی صلاحیتیں ان میں حسب موقع وضرورت کام کرتی ہیں۔ انسان کی ان صلاحیتوں میں پسند و ناپسند کرنے کے جو مختلف انداز ہوتے ہیں، وہ عموماً ذوق کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، اور وہ فن وادب کے دائرے میں ظاہر ہوتے ہیں، اور یہ بات دو طرفہ پیش آتی ہے، فن کو پیش کرنے والا اور فن کو لینے والا، اس طرح فن وادب کا ظہور عمل میں آتا ہے۔

البتہ انسان کسی خارجی سبب کی بناء پر کوئی ایسا کام اختیار کر لیتا ہے، جو اس کے اصل ذوق کے موافق نہیں ہوتا، اس میں اس کا انتساب تو اس کے اختیار کردہ عمل کی طرف کیا جاتا ہے، اور اس کو اسی زمرہ کے لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جس کو اس نے عملاً اختیار کیا ہوتا ہے، اور وہ اسی زمرہ میں اپنی صلاحیت کو لگا رہا ہوتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے اس ذوق سے بھی وابستہ رہتا ہے جو اس کی طبیعت میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے ہم کو ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کوئی شخص ریاضی کی لائن میں کام کر رہا ہوتا ہے لیکن ادبی ذوق کا حامل ہونے کی بناء پر وہ ادبی لائن میں بھی اپنی صلاحیت کا نمونہ دکھا دیا کرتا ہے، حالانکہ ریاضی فن نہیں ہے، خالص علم کے زمرہ کا موضوع ہے، اور اسی طرح بعض دوسری غیر فنی لائنیں ہیں جن کو کوئی فنی وادبی ذوق کا فرد عملی طور پر اختیار کر لیتا ہے، لیکن وہ اپنے اصلی ذوق سے بھی وابستہ رہتا ہے۔ اسی لئے ہم کو ایسے ادباء وشعراء بھی ملتے ہیں جنہوں نے غیر ادبی لائن اختیار کی لیکن ادب میں بھی اپنی صلاحیت ثابت کی، اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

ہم اس کو مذہبی اور دینی دائرے میں دیکھیں تو مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشد وخلیفہ مولانا عزیز الحسن مجذوب صاحب تو نمایاں نظر آتے ہیں، ان کے بعد مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اور مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ اور مولانا سید محمد ثانی صاحب حسنیؒ نے مذہبی دائرے کے ساتھ مخصوص ہونے کے باوجود اچھی شاعری کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ اور ان میں مشہور داعی حق ومرشد ربانی حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ خالص اصلاحی و دینی مشغولیت کے ساتھ اپنی شعری صلاحیت سے بھی سامعین کو بہت محظوظ فرماتے تھے، ان کا اصل میدان عمل ارشاد وتربیت روحانی کا تھا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنا فنی ذوق ترک نہیں کیا، جس سے واقف ہونے پر شعری وادبی ذوق کے حاملین ان کے شعری نمونہ سے محظوظ ہوتے تھے، حتی کہ ادب کے بعض باکمال نقاد نے بھی ان کی ممتاز شعری خصوصیت کو تسلیم کیا۔ ان کے اسی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے رابطہ ادب اسلامی کی شمالی ہند کی شاخ نے اپنے ایک سیمینار کا موضوع ان کے ہی کلام کو بنایا، اور الہ آباد میں سیمینار رکھا، اور وہ سیمینار اچھا کامیاب رہا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شعری خصوصیت کا خوب اعتراف کیا گیا۔ ہمارے کاروان ادب کا یہ شمارہ اس سیمینار کے منتخب مضامین پر بھی مشتمل ہے۔

امید ہے کہ ادبی ذوق رکھنے والوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شعری پیشکش کو دیکھ کر پوری پسندیدگی حاصل ہوگی۔

آتنک وادی

ڈاکٹر نسیم اقتدار علی
21، دارالسلام یونیوری روڈ لکھنؤ۔

''ابو آتنک وادی کسے کہتے ہیں''

''وہ جو بلاوجہ کسی کو مارے پیٹے۔''

''ابو تو پھر امی آتنک وادی ہیں وہ بلاوجہ مجھے مارتی پیٹتی ہیں، انہیں سپاہی کیوں نہیں پکڑتے ہیں۔''

باورچی خانہ میں کام کرتے ہوئے امی سن کر ہنس پڑیں۔ ابا مسکرا کر بولے'' ابے چپ ورنہ ابھی آتنک وادی آجائیں گے اور پھر ہم دونوں کی خیر نہیں رہے گی۔''

آتنک واد یا آتنک وادی کا لفظ زیادہ پرانا نہیں ہے، میرے خیال میں گذشتہ پندرہ سال سے اس کا چلن ہوا ہے۔ اب بچے بھی رفتہ رفتہ اس کے مفہوم سے واقف ہونے لگے ہیں۔ لیکن شاید بڑے اب بھی نہیں سمجھتے ہیں کہ آتنک وادی کون ہے؟

یہاں ایک واقعہ کا ذکر مقصود ہے جو ابھی چند سال پہلے کا ہے، نینی تال میں ایک کانفرنس میں شرکت کر کے ہم لوگ واپس آرہے تھے، لال کنواں اسٹیشن پر ٹرین کے انتظار میں دو گھنٹے گذارنا تھے۔ گرمی کی شدت نے اور بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ویٹنگ روم میں بیٹھنا دشوار تھا، میرے ساتھ میری دو سہیلیاں اور ان کے شوہر بھی تھے۔

شام ہو رہی تھی، پلیٹ فارم پر مسافروں کی اچھی خاصی بھیڑ بھاڑ تھی، پتھر کی ایک کالی بنچ دیکھ کر ہم لوگ بیٹھ گئے اور وہیں کونے میں اپنا سامان رکھ دیا، چائے پی اور گپ شپ ہونے لگی، اتنے میں ایک دبلا پتلا بوڑھا سا آدمی ایک گٹھری اور ایک آدھ پوٹلی لئے ہوئے وارد ہوا، چھوٹی سی سفید داڑھی، لمبی کتری ہوئی چشمہ لگائے میلا سا کرتا پائجامہ پہنے وہ سیدھا اسی کونہ کی طرف آیا جہاں ہمارا سامان رکھا تھا۔

''یہاں کس نے سامان رکھا یہ ہمارے سونے کی جگہ ہے، ہٹاؤ سامان ورنہ ہم پھینک دیں گے۔''

ہم لوگ خاموش رہ گئے، اب اس نے خرافات اور پھر مغلظات بکنا شروع کیں، ہمارے ساتھ کھانا بھی تھا اسے یقیناً خوشبو آئی ہوگی۔ کہنے لگا۔

''یہ سب سالے عیسائی ہیں سور پکا کر لے جا رہے ہیں اسی کی خوشبو آرہی ہے''۔

ہماری طرف منہ کر کے تھوکنے لگا، گالی گلوج کا سلسلہ بہ دستور جاری تھا۔ پھر اس نے اپنا کھانا نکالا۔ سلیقہ سے اخبار بچھایا کٹوردان نکال کر اسی پر رکھا۔ کھانے میں کیا تھا، ادھر دیکھنے کی تو ہم میں ہمت نہ تھی، لیکن ایک آم پر نظر ضرور پڑی جو اس نے بڑے شوق سے نکال کر الگ رکھا تھا گویا کھانے کے بعد کھانے کیلئے۔

پتہ نہیں نشہ میں تھا یا پاگل پن کا دورہ تھا، یا کسی نفسیاتی مرض کا شکار تھا، بہر حال اس کی خرافات سننا ناقابل برداشت

ہو رہا تھا۔ پلیٹ فارم کھچا کھچ بھر گیا تھا ہم اٹھ کر دوسری جگہ بھی نہ جا سکتے تھے، ہمارے ایک ساتھی نے ادھر ادھر گھوم کر پولیس کانسٹبل کو تلاش کیا اور اس سے شکایت کی۔ کانسٹبل فوراً ہی آ گیا اور اشارہ سے پوچھا کہ مجرم کہاں ہے؟ وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید کوئی خطرناک قسم کا آتنک وادی ہے، بوڑھے کو دیکھکر کچھ نرم پڑا۔ لیکن پھر بھی ذرا ڈپٹ کر بولا۔ ''کیا بک بک لگا رکھی ہے۔ کھانا کھانے سے خیر ہم تم کو نہیں اٹھائیں گے۔ لیکن ہم بتائے دے رہے ہیں کہ کھانا ختم کرتے ہی اپنی گٹھری پٹلی اٹھا کر یہاں سے چلتے بنو، سمجھے۔ اور خبردار جو بولے''۔

بوڑھے نے اپنی صفائی میں ابھی منہ ہی کھولا تھا اور صرف دیوان جی ہی کہا تھا کہ جانے کہاں سے دندناتے ہوئے داروغہ جی پہنچ گئے، ان کے ساتھ دو مسلح سپاہی بھی تھے، آتے ہی انہوں نے اسے دو چار بیت رسید کیے۔ ''اٹھ سالے یہاں سے'' بوڑھا اٹھ کر سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ پھر دو چار بینت۔

''بند کرو اسے حوالات میں سالا آتنک وادی لگتا ہے''

شاید بوڑھے کی داڑھی چغلی کھا رہی تھی۔

نیلے رنگ کی گٹھری کھل گئی اس میں سے نکلے چیتھڑے ادھر ادھر بکھر گئے، آم لڑھک کر بالکل ہمارے سامنے آ گیا، سپاہی اسے لے جا رہے تھے، میرا دل چاہتا تھا کہ میں دوڑ کر وہ آم اسے دے آؤں۔

ٹرین آ گئی اور ہم لوگ سوار ہو گئے، آم کھاتے ہوئے اب بھی کبھی کبھی بوڑھا نظروں کے سامنے آ جاتا ہے اور میں جیسے مجرم بن جاتی ہوں۔

غزل

ڈاکٹر مخمور کاکوروی

یارب کبھی تو ایسا نہ آئینہ دے مجھے
جس میں خود اپنا عیب دکھائی نہ دے مجھے

میں سر اٹھا کر شان سے زندہ نہ رہ سکوں
دنیا کی ایسی کوئی برائی نہ دے مجھے

سودا ضمیر و ظرف کا کرنا پڑے جہاں
دربار میں تو ایسے رسائی نہ دے مجھے

ہر وقت فکر خدمت خلق خدا رہے
اس غم سے رہائی نہ دے مجھے

مظلوم کی جہاں میں سنتا نہیں کوئی
میں کیا کروں جو حق مرا بھائی نہ دے مجھے

تنہائیوں کا کرب بہت جانگداز ہے
مر جاؤں گا میں زہر جدائی نہ دے مجھے

مجبوریاں سمجھتا ہوں راہ وفا کی میں
تو بے وفا نہیں تو صفائی نہ دے مجھے

مخمور اس کو مجھ سے محبت ضرور ہے
لیکن وہ اپنا دست حنائی نہ دے مجھے

غزل

چراغ شب نے لکھا ایسا اضطراب کا نام
کہ خواب ہوگیا آنکھوں سے اپنی خواب کا نام
جمود موت ہے اور زندگی ہے جہد وعمل
ہے آفتاب کی گردش سے آفتاب کا نام
جو کائنات کو روشن دلیل دے کے گیا
ہے روز وشب میں اسی روشنی مآب کا نام
بغیر حسن عمل مرتبہ نہیں ملتا
فقط زبان سے چلتا نہیں خطاب کا نام
خدا ہمیں بھی متاع خودی عطا کردے
کہ حوصلے میں نہیں اپنے اضطراب کا نام
ہمارے آنے سے قوموں میں انقلاب آیا
ہمارے نام سے روشن ہے انقلاب کا نام
ہو اس طرح مرے لہجے کی نکہتوں کو فروغ
مہک جیسے کہ ہر سمت ہے گلاب کا نام
نہ کر تلاش تو آئینوں کی اے رحمتؔ
آج آئینوں میں بھی کم کم ہے آب وتاب کا نام

رحمت لکھنوی

غزل

رحمت لکھنوی

نہ کوئی تشنہ رہے ایسی آرزو بھی تو ہو
حیات اپنی رواں مثل آبجو تو ہو
دھنک کے رنگ اتر آئیں میری غزلوں میں
کبھی وہ جان غزل میرے روبرو بھی تو ہو
جو گفتگو ہوئی بالواسطہ ہوئی اب تک
براہ راست کبھی اس سے گفتگو بھی تو ہو
حصار ٹوٹ ہی جائے گا ظلمت شب کا
مرے چراغوں میں شامل مرا لہو بھی تو ہو
ہمارے زخموں سے کیجئے نہ چھیڑ چھاڑ ابھی
یہ دیکھئے کہیں گنجائش رفو بھی تو ہو
بنا تو لوں میں شریک سفر تجھے لیکن
مری شریک سفر تیری آرزو بھی تو ہو
تو میرے ساتھ رہے یار ہیں تری یادیں
جہاں کہیں رہوں میرے ساتھ تو بھی تو ہو
یقین رکھئے قدموس ہوگی خود منزل
برائے منزل مقصود جستجو بھی تو ہو
شعور فکر ونظر مل جائے گا رحمتؔ
تو اس کے کوچے میں جاجا کے سرخرو بھی تو ہو

خطبۂ استقبالیہ

مقبول احمد قمر الزمان قاسمی الٰہ آبادی
مہتمم، دار المعارف الاسلامیہ ڈی/۸۹، کریلی الٰہ آباد

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

صدر عالی مقام، مہمانان عظام، حاضرین کرام!

آج کی صبح کیسی دلفریب اور آج کا دن کتنا مبارک ومحترم ہے جب ہمیں کاروان دین ودانش کے استقبال کی سعادت عظمیٰ میسر آئی ہے جس کے ایک ہاتھ میں مذہب وملت کا پرچم ہے تو دوسرے میں ادب وانشاء پردازی کا علم۔ علامہ شبلی نعمانی کا یہ شعر شاید اسی محفل کا عنوان ہے۔

پھر بہار آئی ہے شاداب ہیں پھر دشت وچمن
بن گیا رشک گلستان ارم پھر گلشن

ملک وبیرون ملک کی جامعات عربیہ وعصریہ کے یہ علماء وفضلاء اس عظیم شخصیت کے اہتمام وانتظام میں یہاں جلوہ فگن ہوئے ہیں جو اس شعر کا مصداق ہے۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کو نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

جس کا دل ناصبور اسلام کی عظمت وسربلندی کے لئے تڑپ ہی نہیں رہا ہے بلکہ وہ اپنے وطن اور قوم کو جو بے راہ روی، جنسی انارکی اور تعلیمی واخلاقی پسماندگی کے عروج پر پہنچی ہوئی اس آگ سے نکالنے کے لئے بے چین وبے قرار ہے، جس نے اسے تباہی وبربادی کے اس مقام تک پہنچادیا ہے جہاں سے ظاہری طور پر واپسی کے تمام راستے مسدود نظر آتے ہیں لیکن قرآن کریم کی آیات، احادیث نبویہ اور اقبال کے اس شعر کو مطمح نظر بناتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہا ہے۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا دست راست بن کر اور پھر ان کے رخصت ہونے کے بعد تنہا پورے عالم میں دین حنیف کی ترجمانی وپیغام کے لئے مستقل سرگرم عمل رہتا ہے، اسی طرح اپنے ملک، اس کے شہروں اور دور دراز گاؤں کا سفر کر کے اخوت ومحبت، امن وآشتی اور انسانیت کا پیغام عام کرتا رہتا ہے۔ میری مراد عالمی شہرت کے حامل، عالم ومصنف حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے ہے، ان ہی کی صدارت میں ملک کے گوشے گوشے سے علم وادب کے یہ سیارے دار المعارف الاسلامیہ کریلی الٰہ آباد کے افق تاباں پر اپنی چمک دمک دکھلانے کے لئے جمع ہوئے ہیں، دار المعارف الاسلامیہ اپنی اس خوش قسمتی پر نازاں وفرحاں ہے۔ اس مذاکرۂ علمی کی رونق حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مدظلہ العالی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے تشریف لا کر بڑھائی ہے۔ ہم ان کا بھی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خیر مقدم کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری محفل میں قدم رنجہ فرما کر اس پروگرام کو ضیاء بخشی ہے، وحشت کلکتوی نے کیا خوب کہا ہے کہ

لاکھ نادان سہی اتنے بھی تو ہم کور نہیں
کہ چمن دیکھ کر ذکر چمن آرا نہ کریں

اس کے علاوہ اردو ادب کی کئی ممتاز شخصیات بھی یہاں تشریف فرما ہیں خصوصاً جدید یت کا عظیم سپوت شمس الرحمٰن صاحب فاروقی جنہیں ابھی ماضی قریب ہی میں پاکستان کے ایک عظیم ایوارڈ ''ستارۂ امتیاز'' سے سرفراز کیا گیا ہے ہم ان کا بھی بصد خلوص ومحبت استقبال کرتے ہیں۔

آج کے اس مذاکرہ میں جو حضرات موجود ہیں اگر میں ان کے مناقب ومحامد کے دفتر کھولوں تو سلسلہ بہت طویل ہو جائے گا پھر بھی گفتگو تشنہ رہ جائے گی، اس لئے میں ان حضرات سے بصد احترام اجازت چاہتے ہوئے اور آپ سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتا ہوں کہ یہ پر کیف شب وروز اور قلب ونظر کو طراوت وتازگی بخشنے والی صبح وشام ہمیشہ نہیں آئیں گی۔ اصغر گونڈوی کا یہ شعر ایسے ہی موقع کی ترجمانی کر رہا ہے:

بہار سبزۂ وگل ہے، کرم ہوتا ہے ساقی کا
جواں ہوتی ہے محفل میکدہ آباد ہوتا ہے

مہمانان عظام! جس سرزمین پر آپ کی تشریف آوری ہوئی ہے اس کا ایک اصلاحی، تاریخی، سیاسی اور ادبی سلسلہ ہے، جس کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ تو عرض کرنا ہی ہے، بادشاہ اکبر نے سولہویں صدی عیسوی ۱۵۷۵ء میں اس سرزمین پر ایک فلک شکوہ قلعہ تعمیر کروایا اور اس شہر کا نام الٰہ آباد تجویز کیا۔ اس وقت تک اس مقام کو صرف تیرتھ استھان ہی سمجھا جاتا تھا لیکن اس کے بعد سیاست کا مرکز بھی خیال کیا جانے لگا، شہزادہ سلیم جو بعد میں جہانگیر کے لقب سے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا اس قلعے میں رہنے لگا، اور پھر ارکان دولت، اہل حرفہ اور اہل سیف وقلم نے بھی اس کا رخ کیا۔ صوفیائے کرام بھی یہاں کے حالات کا اندازہ کر کے دین کی تبلیغ واشاعت اور مذہب کی ترویج واشاعت کے ارادے سے الٰہ آباد تشریف لائے اور متعدد دائرے قائم ہو گئے، جن میں خاص دائرے یہ ہیں۔

دائرہ شاہ محب اللہ الٰہ آبادی، دائرہ شاہ اجملؒ، دائرہ شاہ محمدیؒ۔ مادائرہ شاہ محب اللہ شیخ کبیر مولانا محب اللہ صاحب الٰہ آبادی کی طرف منسوب ہے جو سلسلہ چشتیہ صابریہ کے اہم شیخ ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ۱۸۰/سال پہلے سیرت کا جلسہ ''اصلاح المسلمین'' کے نام سے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے قائم کیا تھا جس سے اشاعت سنت کا بہت کام ہوا۔ اب بھی یہ جلسہ مکرم انیس احمد پرخاصوی کے اہتمام میں ہر سال ہوتا ہے۔ فجزا هم الله احسن الجزاء

شعر وادب اور تصوف میں ایک مقام خاص حاصل کرنے والی شخصیت اکبر الٰہ آبادی کی بھی ہے۔ مزید جنگ آزادی کے عظیم سپوت مولانا لیاقت علی صاحب الٰہ آبادی بھی اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ماضی قریب میں اس شہر کی سنگلاخ زمین کو سیراب کرنے کے لئے جن دو عظیم شخصیتوں نے اس کا رخ کیا ان میں سے ایک ہمارے نانا جانؒ ہیں جن کو دنیا مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے نام سے جانتی ہے، جن کی آمد ۱۹۵۷ء سے شہر میں تھوڑی ہی مدت میں ایک روحانی انقلاب برپا ہو گیا آپؒ نے مدرسہ وصیۃ العلوم قائم فرمایا جس کا فیض اب بھی جاری وساری ہے۔ مزید ملک کے علمائے کبار نے ان کی طرف رجوع کیا۔ آپ کے استاذ مکرم حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

اعظمیؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی صاحب۔ اور دوسری وہ شخصیت جس کے نام سے آج کی اس محفل کا انعقاد کیا گیا ہے (جن کی شخصیت، عارفانہ کلام، نعتیہ اشعار، تضمین، اور عصری آگہی کے عنصر سے متعلق مقالات پڑھے جائیں گے) یہ دونوں حضرات تصوف وسلوک میں ابھی ماضی قریب کی یادگار ہیں۔ ماشاء اللہ آپ کی طرف بھی عوام وعلماء ہر طبقے کا رجوع ہوا اور الٰہ آباد میں حق کی خوب ہی خوب اشاعت ہوئی۔

حضرات! اس مقامی داستان کو یہیں چھوڑ کر اب مذاکرہ کے موضوع کی طرف آتا ہوں جس کے لئے آپ حضرات دور دراز سے تشریف لائے ہیں۔ ادب معاشرۂ انسانی کی اصلاح کا بہت اہم ذریعہ ہے اور مقصدی ادب کی حوصلہ افزائی خود قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے بھی ہوتی ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سورہ الشعراء کی آخری چند آیات میں مقصدی ادب کی طرف واضح اشارہ کیا ہے اور حضور ﷺ کی حدیث شریف بھی ہے "و ان من الشعر لحکمة" قرآن کریم کی ان آیات اور احادیث سے وہ ادب مراد ہے جو صداقت پر مبنی ہو اور معاشرۂ انسانی کو صالح بنائے۔

کاش الفاظ میرا ساتھ دیتے اور میرے جذبۂ مسرت کے ہم زباں ہوتے اور میں اپنا نوک قلم روشنائی دل میں ڈبو کر لکھتا حرف حرف عیاں ہوتا اور لفظ لفظ چراغاں۔ اور آپ کی آمد پر دار المعارف الاسلامیہ الٰہ آباد کے در وبام پر "اھلا وسھلا" اور "خوش آمدید" رقم کرتا، شبنم کے موتیوں یا پھولوں کے پیرہن میں "مرحبا مرحبا" کا نذرانہ دل پیش کرتا۔

اللہ کا شکر واحسان ہے کہ والد ماجد شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم نے مدرسہ بیت المعارف بخشی بازار، دار المعارف الاسلامیہ کریلی، بیت القرآن الکریم مہیو اور ادارہ معارف مصلح الامتؒ کریلی قائم فرمایا جہاں سے علم وحکمت کی شمع فروزاں ہو رہی ہے۔ ظفر جنکپوری نے کیا خوب کہا ہے:

اک قمر تو زندگی میں ایسا پیدا کر دیا
جس کا اک عالم کے عالم کو تو شیدا کر دیا
جس کو بخشا ہے مشیت نے شعور و آگہی
جس کے سر پر حق نے رکھا آج تاج سروری
تیرے فیض باطنی سے اس کو یہ دولت ملی
جس کے باعث کی عطا حق نے اسے بالاتری

دعا کریں کہ اللہ رب العزت والد محترم کو صحت کے ساتھ تا دیر باقی رکھے اور ہم بھائیوں کو ان اداروں کے بحسن وخوبی جاری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

حضرات! میری سمع خراشی اور کج بیانی سے آپ بیزار ہو گئے ہوں گے اور کیا عجب ہے کہ آپ کی زبان پر سودا کا یہ شعر بار بار آرہا ہو:

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں

ایک بار پھر آپ حضرات خصوصاً مولانا محمد اسماعیل صاحب بھوٹا صدر مجلس خدام الدین العالمیہ (لندن) مولانا مفتی محمد مصطفیٰ صاحب بانی ومہتمم دار العلوم (لندن) مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الٰہ آبادی نائب مفتی دار العلوم دیوبند، ڈاکٹر تابش مہدی پرتاپگڈھی (دہلی) اور مولانا ظفر صاحب جنکپوری امام مسجد فرینڈس کالونی (دہلی) کا صمیم قلب سے استقبال کرتے ہوئے بیٹھنے کی اجازت چاہتا ہوں، میری معروضات کی کمی انشاء اللہ صدارت سے پوری ہو جائے گی۔

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ کا ادب میں

مقام و کلام

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

ہم آپ حضرات کی اس مذاکرہ علمی میں شرکت کو خوش آمدید کہتے ہیں، جس میں ادب کے ذریعہ انسانی احساسات کی صدق دلی کے ساتھ ترجمانی کی صفت کو مذاکرہ کا موضوع بنایا گیا ہے، یہ مذاکرہ علمی اس شہر الہ آباد میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی شمالی ہندوستان کی شاخ کی طرف سے یہاں کے معروف ادارے دارالمعارف الاسلامیہ کے زیر انتظام منعقد کیا جارہے، ہمارے اس عالمی رابطہ ادب اسلامی کے قیام کو اب تقریباً تیس سال کی مدت ہورہی ہے، اس نے ادب کے اسلامی تصور کو عملی طور پر نمایاں کرنے کو اپنا مقصد عمل بنایا، اور مغربی دنیا کے تصورات میں اعلی انسانی اقدار سے پہلوتہی کا جو رجحان بڑھتا جارہا تھا اس کا رخ موڑنے کی کوشش کو اپنی جدوجہد کا موضوع بنایا، مغربی فکر کے اہل ادب نے ادب کے دائرہ سے دین کو باہر کرنے کی جو کوشش کی اسکے اثر سے ادب کو دینی رخ سے جدا کرنے کا رجحان عام ہوگیا تھا، اس کو دیکھتے ہوئے ضرورت تھی کہ ادب کو اس کا فطری اور تعمیری حق دلانے کیلئے ایک ادارہ کی تشکیل کی جائے چنانچہ اس رابطہ کا قیام عمل میں آیا، اور اس کے تحت مختلف عنوانات پر جگہ جگہ سیمینار منعقد کئے گئے، جو ہندوستان کے مختلف شہروں میں بدل بدل کر وقتاً فوقتاً منعقد ہوئے۔

آج ہم اسی سلسلے کا ایک سیمینار یہاں الہ آباد میں منعقد کررہے ہیں، اس شہر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے نام میں اللہ تعالیٰ کی نسبت نمایاں ہے اس شہر کو لفظ الٰہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس کے نام میں کچھ تصرف ہوا تو بھی یہ نسبت نہیں بدلی، اس کو انگریزی میں اللہ آباد لکھا جاتا ہے بات ایک ہی ہے، شاید اسی کا اثر ہے کہ اس شہر کا دین سے بھی اچھا تعلق رہا ہے، دنیاوی لحاظ سے صوبہ کی اعلی عدالت اسی شہر میں ہے جس کی بناء پر قانون دانوں کو اپنی صلاحیتوں کا یہاں پورا ثبوت دینا ہوتا ہے، اور یہاں کی علمی وتمدنی زندگی بھی امتیازی خصوصیت رکھتی ہے، اس کے ساتھ یہاں

اسلامی صفت یہ ہے کہ متعدد بزرگ شخصیتوں نے اس شہر کو اپنی تربیت وارشاد کا مرکز بنایا خاص طور پر حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوریؒ اور اس کے علاوہ ارشاد واصلاح کے متعدد دائرے یہاں قائم ہوئے اور ان سے دین کو فائدہ پہونچا ،مولانا محمد احمدؒ نے ارشادوتربیت کے ساتھ ساتھ اپنے دلی تأثرات کوادبی انداز میں جس طرح پیش کیا اس کی قدردانی ادب کے متعدد ماہرین نے بھی کی ہے اور ان کا کلام کتابی شکل میں بھی آگیا ہے اور وہ بھی اہل ادب کے نزدیک قابل قدر ہے۔

ادب کے لفظ کا استعمال شروع میں مہذب اور شائستہ کردار کو پیش کرنے کے لئے ہوتا تھا، اور اس کو دلنشیں بنانے کے لئے دل پسند عبارت اور موقع ومحل کے مطابق الفاظ استعمال کرنے کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا، تاکہ پیش کردہ باتیں پسندیدہ محسوس کی جائیں اور دل میں اتر جائیں، کسی بات کا دل میں اترنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو عمل پر آمادہ کردیتی ہے۔ ورنہ محض عقل وسمجھ میں آنے والی بات کا عمل پر آمادہ کردینا یا اثر انداز ہونا ضروری نہیں ، پُراثر اسلوب کلام صاحب کلام کے دل کی ترجمانی بھی کرتا ہے چنانچہ قدیم عہد میں اپنے پروردگار سے حاجت طلب کرنے اور اس کی رحمت کو متوجہ کرنے کے لئے خاص طور پر پُراثر کلام ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے جو دعاؤں اور مناجاتوں اور نعتوں میں جابجا ملتا ہے، اچھی باتوں کو پُراثر انداز میں پیش کرنے میں جو دل پسندی تھی وہ دل پسندی خود مطلوب بنتی چلی گئی اور وہ بھی ادب کہی جانے لگی ، کسی کلام کو دل پسند بنانے کے لئے اولاً اس کا موقع ومحل سمجھنا اور اس کے مطابق عبارت اور مناسب طرز وادا اپنانے کی صلاحیت ہونا بھی ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صلاحیت ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی ، اسی لئے جس کو یہ حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کو حسب ضرورت عمل میں لاتا ہے تو اس کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے کلام کا پُراثر نتیجہ بھی ظاہر ہوتا ہے شاعری میں وزن اور قافیہ بھی ہوتا ہے اس کی وجہ سے اس کی دل پسندی بڑھ جاتی ہے۔

ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اور لائق قدر باتوں کو پیش کرنا اس کو مفید بھی بنادیتا ہے۔ ورنہ وہ صرف لطف اور مزے یا بے مقصد دل پسندی تک محدود ہوکررہ جاتا ہے، اور انسانی اقدار کی طرف سے توجہ کم ہوجانے یا ہٹ جانے کی صورت میں ادب صرف لطف ولذت اور بے مقصد دلچسپی ہی کا ادب بن جاتا ہے ،صدق دلی اور احساس کی سچی ترجمانی سے ادب کو ہٹنے نہ دیا جائے اور اس کو بے مقصد ہونے اور انسانی اقدار کے خلاف ہونے سے بچایا جائے ، یہ ادب کے اصل اور قدیمی مفہوم کے مطابق بھی ہے اور انسانیت کی فطری خیر پسندی کے تقاضے کو پورا بھی کرنا ہے، اردو ادب میں ہم کو اس کی تاریخ کے آغاز میں یہ صفت نمایاں ملتی ہے خاص طور پر اس عہد کی شاعری میں یہ بات نمایاں پائی گئی ہے، اس دور کے شعراء کے کلام میں تصوف کی جو آمیزش

نمایاں ملتی ہے وہ اسی ضمن کی بات ہے، خاص طور پر محبت الٰہی اور اس سلسلہ کی دل سوزی جس میں عشق حقیقی کی بڑی ترجمانی ملتی ہے اور اس کے بعد کے شعراء میں بھی امت اسلامیہ کی صلاح وفلاح کو مقصد بنایا گیا ہے، اور اس وقت کی اردو شاعری میں یہ خصوصیت اچھی خاصی نظر آتی ہے اسی طرح بزرگی اور للّٰہیت کے حامل شعراء کے یہاں پاکیزہ اور مخلصانہ قلبی واردات کی بڑی ترجمانی ملتی ہے، کہیں صراحت کے ساتھ اور کہیں رمزیت کے ساتھ، اور رمزیت کا طریقہ بھی اپنے اندر تاثیر رکھتا ہے اس کی وجہ سے کثرت سے شعراء نے اس کو اختیار کیا ہے، ہمارے موجودہ عہد میں بھی صالح دلسوزی کے خیالات متعدد صلاح پسند شعراء کے یہاں ملتے ہیں، ان کو اگر چہ وہ لوگ جو ادب کو صرف دل پسندی کے دائرہ میں محدود کر دینے کے قائل ہیں شاعری اور ادب کی فہرست سے الگ کر دیتے ہیں، حالانکہ ان کے اشعار ادب کے صالح معیار اور مقصد کو پورا کرتے ہیں ان کو نظر انداز کرنا ایک طرح سے زیادتی اور حق ناشناسی قرار دینا چاہئے۔ ہمارا رابطہ ادب اسلامی ادب کو صرف دل پسند اور مادّی لطف کے دائرہ میں محدود کر دینے سے نکالتا ہے، اور اس کو صحیح اور وسیع دائرہ میں لاتا ہے، ہمارے سیمینار اسی مقصد کو پورا کرنے کا ذریعہ ہیں، ہمارے اس سیمینار میں عہد جدید کی برگزیدہ شخصیت اور شیخ وقت حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری ثم الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا شعری کلام جو ممتاز خصوصیات کا حامل ہے بطور موضوع اختیار کیا گیا ہے۔

مولانا کے کلام میں جو قلبی واردات اور جو تڑپ اور پُر اثر جذبہ دل کی ترجمانی ہے اس کے متعلق یہ کہنا بہت صحیح ہوگا کہ دل سے جو بات نکلتی ہے وہ دل پر اثر کرتی ہے۔ کسی کا ذہن ودماغ اس کو مانے یا نہ مانے لیکن دل کی دنیا میں اس کو بڑی قبولیت ملتی ہے اور حقیقت میں شاعری کا میدان اصلاً دل کی دنیا ہی ہے۔

مولانا کی شاعری کی خصوصیات میں عرفان نفس، اپنی ذات کی فنائیت، محبوب کے لئے فدائیت کا پورا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے، اور سوز عشق ومعرفت ومحبت پورے طور سے جلوہ گر نظر آتی ہے۔

مولانا کسر نفسی اور فنائیت کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں ؎

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
کچھ ہونا مری ذلت وخواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
آئے گا سمجھ میں نہ کسی اہل خرد کی
یہ ہے عشق کا راز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
یہ نعمت عظمیٰ مجھے ملتی نہ کبھی بھی
ہے عشق کا اعجاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
ترے کرم خاص پہ سو جان سے قرباں
میں اس سے ہوں ممتاز کہ کچھ بھی نہیں ہوں
فیضان محبت ہے مبارک ہو مبارک

اب دل نہیں ناساز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
احمد ترا ہر نغمہ ہے پیغام محبت
دلکش ہے یہ آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

مولانا کے یہاں یہ جذبہ صرف لسانی اور زبانی نہیں ہے، بلکہ یہ ان کی زندگی کے طور طریق اور انداز اور ان کے عمل میں بھی نمایاں تھا، ان کی کسر نفسی، تواضع، اور محبت کی کیفیات ہر ایک کو محسوس ہوتی تھیں، وہ جسمانی صحت کے لحاظ سے بڑے کمزور اور مسلسل تکلیف میں مبتلا رہتے تھے لیکن دوسرے کے لئے دلداری اور اظہار محبت میں بہت بڑھے ہوئے تھے، اس طریقہ سے وہ اپنے ظاہر و باطن دونوں سے ایک محبت کرنے والے اور اعلیٰ انسانیت نواز شخصیت تھے، اس طرح ان کی شاعری کوئی لفظی اور ادبی بازی گری نہیں تھی، بلکہ سچے اور انسانیت نواز دل کی صحیح ترجمانی تھی، اس طرح وہ سامعین کے دلوں کو پر کیف بناتی تھی اور ان کے لئے درد دل کی سوغات بھی مہیا کرتی تھی۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں زہد و تقوی دعوت و اصلاحِ باطن کا جو نمونہ دنیا نے دیکھا اس سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی پاکیزہ زندگیوں کی خصوصیت و مقام سب کے سامنے آیا اور بے شمار لوگوں کو فیض پہونچا لیکن حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد خصوصیات میں ایک خصوصیت ان کا دلنواز اور فکر انگیز کلام تھا، جو سخن فہم لوگوں کے لئے مزید کشش کا باعث بنتا تھا پھر حضرت مولانا کا محبت بھرا انداز سب کو ان کا گرویدہ بناتا تھا۔

حضرت مولانا میں محبت بھرا انداز ان کی اہم خصوصیت تھی، جس کو دیکھ کر آدمی کو آپ ایک شفیق باپ یا محبت کرنے والے بڑے بھائی کی طرح معلوم ہوتے، ان سے تعلق رکھنے والا جب دیکھتا کہ حضرت مولانا اس کے آنے سے کس قدر مسرور ہوتے ہیں اور جانے سے کس قدر بے چین ہوجاتے ہیں تو وہ عقیدت مندانہ تعجب میں گھر جاتا، مولانا ایسے موقع پر اپنا یہ شعر سناتے:

تمہارا آنا میرے احساس میں جان مسرت ہے
مگر جانا ستم ہے، غم ہے، حسرت ہے، قیامت ہے

اور اگر کسی کو ان سے اس خاص مشاہدہ و تجربہ پر تعجب ہوتا تو بار بار اس کیفیت کا مشاہدہ کرنے سے اس کا یہ تعجب ختم ہوجاتا، اسی کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کسی پر کسی وقت بار نہ بنتے بلکہ اپنے ملنے والوں کو اپنے شفقت و اخلاق کے زیر بار کردیتے تھے مولانا کو صحت کے متعدد عوارض تھے، جن سے عموماً بے چین رہتے تھے، غذا تقریباً متروک ہوگئی تھی، دو تین چمچے، اور تین نوالوں سے زیادہ کچھ لینا مشکل ہوتا تھا، معدے میں غالباً ریاح باسوری کی تکلیف رہتی تھی، اس کی وجہ سے جسم لاغر تھا، اور ضعف کا غلبہ رہتا تھا۔ لیکن تعلق والا آجاتا تو ایسا محسوس ہوتا کہ مولانا پوری طرح صحت مند ہیں، پورا اخلاق برتتے، پذیرائی کرتے، اور مفید، دلنواز گفتگو کرتے، اور کبھی کبھی موقع و محل کے اعتبار سے اپنے دو ایک شعر بھی سناتے۔ حضرت مولانا کی گفتگو سب دین اور

رضائے الٰہی کی باتوں پر مشتمل ہوتی ،مولانا کا وعظ سادہ اسلوب میں تقریروں پر مشتمل ہوتا ،اور وہ یاد خدااور تصورآخرت اوراعمال کی درستگی اور رضائے الٰہی کی طلب پر مشتمل ہوتااور بڑااثر رکھتا تھا۔

مولانا کا کلام ادبی خوبیوں اورشعروادب کے معیاری اندازکاپوری طرح حامل ہوتا تھا،اس میں محض ایک شعر پسند شخص کا اچھا سامان تھاعشق ومحبت کے احساسات اوران کی خوبصورت اوردلنوازتعبیر اورحسن اداسے کو اعلی ادبی معیار عطا کرتا تھایہ اشعار دیوان کی شکل میں شائع ہوئے اور مقبول خاص وعام ہوئے۔عرفان محبت کے نام سے یہ دیوان اہل نقد وزبان نے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا ، اور مکرمی جناب مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی نے جوکہ ان کے مسترشد اور خصوصی فیض یافتہ ہیں اس کی شرح وترجمانی ''فیضان محبت'' کے نام سے کی،اور وہ بھی مقبول ہوئی ،ہمارے لئے خوشی کی بات ہے کہ الہ آباد میں منعقد ہورہے اس سیمینار کی میزبانی مولانا مدظلہ ہی فرمارہے ہیں،جن کے مدرسہ دارالمعارف الاسلامیہ میں مولانا مرحوم کا طویل طویل قیام رہا،اور ہم لوگوں کو بھی مولاناؒ کی خدمت میں حاضری کے موقع پر یہاں قیام کا موقع ملا،اور اس سیمینار میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے صاجزادۂ محترم جناب ارشاد احمد صاحب اوران کے علاوہ محترم جناب عبدالحسیب صاحب رہبر، جناب انیس پرخاصوی صاحب اور حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب کے صاجزادگان خاص طور پر مولانا مقبول احمد صاحب قاسمی کی شرکت اور دلچسپی سے سیمینار کو بڑی تقویت مل رہی ہے،اور حضرتؒ کے خصوصی فیض یافتہ مولانا عمار احمد صاحب مہتمم مدرسہ افضل المعارف کی دلچسپی بھی لائق قدر ہے،ان محترم شخصیات کے علاوہ ادب کی متعدد معروف ومشہور شخصیات بھی اس سیمینار میں تشریف رکھتی ہیں،ان میں خاص طور پر محترم جناب شمس الرحمٰن فاروقی صاحب جو بڑے ادیب ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے کبار ناقدین میں ان کا شمار ہوتا ہے ان کی شرکت ہمارے سیمینار کی ادبی حیثیت کوتقویت پہونچارہی ہے۔

ہمارے اس شہر میں ایک بڑے قابل قدر اسلامی شاعر مولانا سید طفیل احمد مدنی بھی رہے ہیں، جوابھی چندروز پہلے اپنی طویل علالت کے بعد ہم سے جداہوگئے،اس موقع پران کی بہت یادآرہی ہے ان کی شرکت بھی باعث تقویت ہوتی لیکن تقدیر کی بات ہے کہ یہ سیمینار ان کی زندگی میں منعقد نہ ہوسکا اللہ تعالیٰ ان کواپنی خصوصی رحمت سے نوازے۔

اس موقع پر ہم سب ہی حضرات کے شکرگذار ہیں، جنہوں نے اس سیمینار کوکامیاب بنانے میں جس طرح بھی حصہ لیا۔ ہم اس سیمینار کے موضوع کے تعلق سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ علم وادب وخیر طلبی کا جذبہ فروغ پائے،اور الہ آباد کے سارے دینی ادارے دین وادب اسلامی کوتقویت پہونچانے کا کام کرتے رہیں،اللہ تعالیٰ اس مجلس کوقبول فرمائے اور مبارک کرے،آمین۔

☆☆☆☆

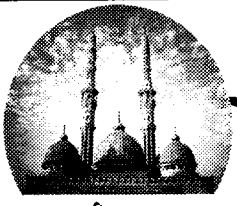

حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ اور عشق الٰہی

سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی
مدیر البعث الاسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ

انسان کسی گوشت و پوست کے ڈھانچہ یا ظاہری شکل وصورت کا نام نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جامعیت کا لباس پہنایا ہے، جسم وروح اور عقل وعاطفہ اور قول وعمل اور درد و عشق اور دعوت ومحبت ہر اعتبار سے اس کو ایک مابہ الامتیاز مخلوق بنایا ہے، اس امتیاز اور جامعیت کا سرچشمہ دین اسلام کے پیغام اور کتاب وسنت کی تعلیمات میں مضمر ہے، جو لوگ علم وایمان کے سچے نمائندہ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی ہوتے ہیں، اور زندگی کے ہر معاملہ میں راہ اعتدال اختیار کر کے اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، ان کی زندگی ہمیشہ مؤمن کامل کا آئینہ پیش کرتی ہے، اور وہ خلق عظیم کی نمائندگی کا فرض انجام دیتے ہیں، وہی لوگ دراصل اللہ تعالیٰ کی محبت میں سرشار نظر آتے ہیں، اور ان کے نزدیک محبت الٰہی کی شرط اسی وقت پوری ہوتی ہے، جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صغیر وکبیر میں سچی اتباع کر کے یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ صحیح معنوں میں وہ دین کی نمائندگی کا حق رکھتے ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی مؤمن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے رگ وپے میں میری محبت گھر نہ کر جائے اور اس کے اندرون میں میں پوری طرح سما نہ جاؤں۔

کیڑا ذرا سا اور وہ پتھر میں گھر کرے
انسان کیا جو نہ دل دلبر میں گھر کرے

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ کے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت گھر کر گئی تھی، اور اسی درد عشق ومحبت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو شاعر اسلام وایمان بنا دیا، اور انہوں نے اپنے جذبات محبت کی عکاسی کرنے کے لئے شاعری کا سہارا لیا، اور اصناف شعر میں ایک نئی صنف کا اضافہ کیا، سب سے پہلے سماعت فرمایئے حمد کے چند اشعار:

تو ہی مالک تو ہی رب العالمیں
تیرے در پر جھکتی ہے سب کی جبیں
مثال تیری کون سمجھے گا بھلا
ابتدا تو ہی ہے، تو ہی انتہا
تو ہی ہے مقصود ، تو ہی مدعا
جان و دل کرتا ہوں میں تجھ پر فدا
کید سے شیطان کے یارب چھڑا
اور شرور نفس سے مجھ کو بچا
یا الٰہی مجھ کو تو اپنا بنا
کر لے تو مقبول ، احمد کی دعا

اور حمد کی اس صنف میں دوسرے قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کسی کے سامنے میں کیوں جھکوں پرواہ کیا مجھ کو
خدا کے سامنے جب شوق سے گردن میری خم ہے
مجھے ہے ناز اس کی بندگی پر اور غلامی پر
نہیں جس کے علاوہ اور کوئی خلاق عالم ہے
ہم ان کو یاد کرتے ہیں، وہ ہم کو یاد کرتے ہیں
یہ وہ دولت ہے جس کے سامنے جو چیز ہے کم ہے
رسول پاک لا اُحصی ثناء جب کہ فرمائیں
کرے تعریف پھر اس کی کوئی، کس میں یہ دم خم ہے
جو تن من دھن سبھی قربان کر دے ان کی مرضی پر
وہی اللہ والا عاشقِ فخر دوعالم ہے
مجھے اپنا بنائیں گے، مجھے جلوہ دکھائیں گے
میں اس قابل نہیں، لیکن یقین مجھ کو یہ تاہم ہے

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں اس عاشق زار کے یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

جب زباں پر محمد کا نام آگیا
دوستو، زندگی کا پیام آگیا
آگیا، انبیاء کا امام آگیا
لے کے فیضان دارالسلام آگیا
اللہ اللہ ہوئی دل کی دنیا حسیں
جب مقدر سے حسن تمام آگیا
پاگیا، پا گیا حاصل زندگی
در پہ آقا کے، جس دم غلام آگیا

اور مدینہ پاک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے، بہت سے شاعروں نے مدینہ کی گلیوں اور وہاں کے ہر ذرہ کی تعریف میں اپنے پاکیزہ جذبات کا اظہار کیا ہے، دیکھئے کہ احمد شیریں زبان نے دل میں بسی ہوئی مدینہ کی یاد پر شوق و محبت کے اپنے جذبات کو کس طرح قلم و قرطاس کے حوالہ کیا ہے، چند اشعار سن لیجئے:

سبز گنبد کو دیکھنے والے
دولت قرب تم نے پائی ہے
ذکر ہوتا رہے مدینہ کا
بات یہ میرے دل کو بھائی ہے
آتش عشق نے جلا ڈالا
زندگی ہم نے مر کے پائی ہے

اور حرم شریف دیکھنے اور بار بار دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر حاضری کا موقع عطا فرمایا، تو یوں گویا ہوئے:

مبارک ہو، ہم پھر حرم جارہے ہیں
مقدر پر اپنے اب اترا رہے ہیں
تڑپ اپنے دل میں جو ہم پارہے ہیں
وہ شاید ہمیں یاد فرمارہے ہیں
ہماری مسرت کا عالم نہ پوچھو
حرم جارہے ہیں، حرم جارہے ہیں
مبارک، مبارک، مبارک، مبارک
وہ یاد آرہے ہیں، وہ یاد آرہے ہیں
جہاں رات دن کا ہے عالم نرالا
وہاں جارہے ہیں، وہاں جارہے ہیں

اور حرم میں حاضری کب ہوگی؟ اور کب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ دیکھیں گے؟ گنبد خضراء کو دیکھ کر کب آنکھیں ٹھنڈی کریں گے، چند اشعار پیش کئے جارہے ہیں:

کب حرم کی بہار دیکھیں گے
کب نبی کا دیار دیکھیں گے
خود کو جب شرمسار دیکھیں گے
رحمتیں بے شمار دیکھیں گے
روضۂ پاک مصطفیٰ کب تک
میرے پروردگار، دیکھیں گے
حق نے چاہا تو سبز گنبد کو
شوق میں باربار دیکھیں گے

مدینہ کی یاد نے پھر تڑپایا، اور بیساختہ زبان بابرکت پر یہ اشعار جاری ہوگئے:

غلامان سرکار یاد آرہے ہیں
وہ اعوان و انصار یاد آرہے ہیں
جو چون و چرا جانتے ہی نہیں تھے
خدا کے وفادار یاد آرہے ہیں
خدا ان سے راضی، وہ راضی خدا سے
محبت کے بیمار یاد آرہے ہیں
وہ صدیق و فاروق وعثمان و حیدر
وہ ابرار واخیار یاد آرہے ہیں
لٹادی خدا کے لئے ساری دولت
وہ امت کے سردار یاد آرہے ہیں
وہ دونور والے رفیق پیمبر
وہ عثمان زردار یاد آرہے ہیں
تھے حسان، جو عاشق فخر عالم
ہمیں ان کے اشعار یاد آرہے ہیں
تڑپنے لگا دل میرا اللہ اللہ
مدینہ کے کہسار یاد آرہے ہیں

پھر دریائے محبت جوش میں آتا ہے، اور وہ اس میں ڈوب کر اور اپنے گردوپیش سے غافل ہوکر عشق الٰہی کے نغمے کچھ اس طرح گنگناتے ہیں کہ وہ فردوسِ گوش بن جاتا ہے اور سننے والے تھوڑی دیر کے لئے اس عالم مادی کو فراموش کرجاتے ہیں:

ارے ناداں! نہ سمجھے گا یہ اسرارِ محبت ہیں
کبھی رنجور ہوجانا، کبھی مسرور ہوجانا
تعلق سے غنی کے ہوگیا غیروں سے مستغنی
پسند آئے نہ کیوں ان کو، میرا مغرور ہو جانا
یہ اکرام محبت ہے، یہ انعام محبت ہے
کہ اس کے فضل سے ذاکر کا بھی مذکور ہوجانا
یہی جان محبت ہے، یہی روح اطاعت ہے
تیرا مختار ہونا اور میرا مجبور ہوجانا
وہ مالک ہیں، جسے چاہیں نوازیں اپنی رحمت سے
نہیں دیکھا ہے کیا ذوالنار کا ذوالنور ہوجانا
جو ہیں اہل محبت، بس وہی اس کو سمجھتے ہیں
کسی کا دیکھ لینا، درد کا کافور ہوجانا

عرب کا شاعر بھی عشق الٰہی میں ڈوب کر نغمہ سنج ہوا تھا

اور تمنا کی تھی کہ:

''اللہ تعالیٰ آپ کی رضا مجھے درکار ہے، چاہے زمانہ مجھ سے ناراض رہے، اور آپ سے محبت کی چاشنی مجھے مطلوب ہے، چاہے زندگی بے کیف ہوجائے اور گردو پیش سے میرا رشتہ منقطع ہوجائے، مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، اگر آپ اور صرف آپ کے تعلق سے میری دنیا آباد رہے، اور اہل دنیا سے میرا تعلق ختم ہوجائے، مجھے تو آپ کی محبت چاہیے جس کے سامنے ہر نعمت ہیچ ہے، جو نعمتیں بھی روئے زمین پر ہیں، آپ کی محبت کے صدقے وہ میری نظروں میں مٹی کا ایک ڈھیر بنے''۔

یہ ایک عربی شاعر کی تمنائیں تھیں، وہ عشق الٰہی میں فنا ہوکر دنیا و مافیہا سے مستغنی ہو چکا تھا، شاید اس سے بھی زیادہ مولانا کی شاعری میں عشق الٰہی کی عکاسی ہوتی ہو، چند شعر ملاحظہ ہوں:

ان کورو روکے ہے اب منانا
بخت خفیہ کو یوں ہے جگانا
رٹ تیرے نام کی ہے لگانا
اپنے دل کو ہے، اب دل بنانا
ان کا ہر حال میں یاد آنا
لطفِ جنت ہے دنیا میں پانا
جان ودل ان پر سب ہے لٹانا
کوئی آساں نہیں، دل لگانا
دل میں شمع محبت جلانا
اور پروانہ خود کو بنانا

اف، کسی کا تصور میں آنا
میرے احساس کا جگمگانا
عشق کی داستاں ہے سنانا
ان کا عاشق جہاں کو بنانا

کیا عربی شاعر نے کسی مفہوم محبت کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر کسی جذبۂ محبت کا سہارا لیا ہے،؟! عربی کے یہ اشعار بھی سماعت فرمایئے اور دونوں شاعروں کے درمیان موازنہ کیجئے کہ کس کا کلام فنا فی حب اللہ کی ترجمانی میں زیادہ مؤثر ہے۔

وليتك تحلو، والحياة مريرة
وليتك ترضى، والأنام غضاب
وليت الذي بيني وبينك عامر
وبيني وبين العالمين خراب
إذا صح منك الود، فالكل هين
وكل الذي فوق التراب تراب

حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی فنائیت عشق ومحبت میں ایسے سرشار تھے کہ محبت کے اسی پیمانہ کو وہ ہمہ وقت اور ہر لمحہ اپنی پاکیزہ زندگی کے ہر ہر جزء پر منطبق کرتے تھے، وہ کسی محدود اصلاح کے قائل نہیں تھے، بلکہ ہمہ دم امت کی اصلاح ان کے پیش نظر رہتی تھی، وہ مسلمانوں کی کمزوری اور ان کے روز افزوں مسائل، ان کی بے حسی کو یا بالفاظ دیگر ان کی بے عملی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے بے تعلقی سمجھتے تھے، وہ قرآن کریم کو اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو سمجھنے اور اس

پر عمل پیرا ہونے کی اپنے ہر عمل سے دعوت دیا کرتے تھے، انہوں نے قرآن پاک اور مسلمان کے عنوان سے جو اشعار کہے ہیں، وہ نہ صرف امت مسلمہ کو دعوت عمل دیتے ہیں، بلکہ یہ اشعار قرآن کریم کی حقیقت بیان کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا پیغام دیتے ہیں، بلکہ اس جہان آب وگل کے بقاء اور انسانیت کے شجر سایہ دار کے پھلنے پھولنے اور انسانوں کو صحیح معنی میں انسان بنانے اور امن ومحبت کے پیغام کو دلوں میں جاگزیں ہونے کا اول وآخر ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

مناسب ہے کہ ان اشعار کو شاعر عشق ومحبت کے ایک عظیم پیغام کے طور پر پیش کردیا جائے:

غضب ہے ہم کو اب حاصل نہیں لطف روحانی
بھلا دی آہ دل سے ہم نے تعلیمات قرآنی
وہ قرآں، آخری پیغام ہے جو رب عزت کا
مبارک ہو مبارک، قدر اس کی جس نے پہچانی
وہ قرآن، بزم روحانی ہوئی آباد پھر جس سے
وہ جس نے دور کر دی آکے دنیا کی پریشانی
وہ قرآں جو سراپا نور ہے، رحمت ہے برکت ہے
پلاتا ہے جو اپنے عاشقوں کو جام عرفانی
وہ قرآن جو غذا بھی ہے، دوا بھی ہے، شفا بھی ہے
وہ قرآن جس سے طے ہوتے تھے، سب درجات روحانی
وہ قرآن جس کی برکت کا بیاں ہو ہی نہیں سکتا
بناتا ہے جو اپنے ماننے والوں کو ربانی
وہ قرآں جس نے مردوں کو حیات جاوداں بخشی
جہاں میں عام جس نے کردیا ہے، آب حیوانی
وہ قرآں جس نے کفر وشرک کی جڑ کاٹ کر رکھ دی
مئے توحید کی، جس سے ہوئی دنیا میں ارزانی
وہ جس سے کفر کی ظلمت ہوئی کافور دنیا سے
ہوئی روشن جہاں میں جس سے ہر سو شمع ایمانی
وہ جس کے حکمراں ہوتے ہی دنیا بن گئی جنت
نرالا ہے، جہاں میں، جس کا آئین جہانبانی
وہ جو ابر کرم بن کر جہاں میں چار سو برسا
وہ جس سے ہر طرف جاری ہوئے دریائے احسانی
وہ جس کا ایک نقطہ بھی نہ بدلے گا قیامت تک
وہ جس کی خود خدائے پاک کرتا ہے، نگہبانی
اخوت کا سبق جس نے پڑھایا ساری دنیا کو
غلاموں کو عطا جس نے کیا ہے تاج سلطانی
وہ قرآں آج بھی موجود ہے، لیکن مسلمانو!
نہیں باقی رہا، کیوں آہ ! تم سے ربط پنہانی
خزانہ گھر ہے موجود پھر بھی آہ، مفلس ہیں
بھٹکتے پھر رہے ہیں، چار سو اے وائے نادانی
پڑھو قرآن سمجھ کر اور عمل دل سے کرو اس پر
فنا ہو حق کی مرضی میں، بنو محبوب سبحانی
عمل جو شوق سے کرتا ہے قرآن معظم پر
وہی ہوتا ہے بیشک مورد الطاف رحمانی
ہوئی ہے صبح صادق سے گریزاں رات کی ظلمت
جہاں خورشید کی کرنوں سے ہوجائے گا نورانی
میرا پیغام ہے، سارے زمانے کے لئے احمدؔ
میرا پیغام کیا ہے، بلکہ ہے پیغام ربانی

عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ صدی کے جید علماء اور اصحاب شریعت و طریقت میں ایک بلند مقام رکھتے تھے، وہ حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی کے تربیت یافتہ اور ان کے خلیفہ مولانا بدر علی شاہ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے، انہوں نے اپنے تواضع اور کسر نفسی سے دعوت وتربیت کے میدان میں زبردست خدمت انجام دی، ان کی شاعری بمنزلہ غذائے روحانی کے ہے، اس پر سچی محبت کا عنصر پوری طرح چھایا ہوا ہے، اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق حقیقی اور معرفت کا رنگ ان کا انتہائی پختہ ہے، وہ طریقت وشریعت کے جامع تھے، محبت ان کے روشن چہرے سے عیاں تھی، اسی کے ساتھ ان کی خداداد بصیرت، ان کا ورع اور تقوی، ان کی حکمت ودعوت، نہ صرف قابل صد رشک بلکہ لائق تقلید تھی۔

یہی وہ جامعیت تھی، جس نے ان کو اس بلند مقام پر پہونچایا، جہاں عشق ومحبت اور حکمت ومعرفت کا سورج روشن تھا، اور اس کا نور نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا، اس موقع پر حضرت مولانا کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ کس نے جام محبت پلادیا سب کو
اسی لئے ہیں یہ سب نشۂ سرور میں آج
وفور شوق میں رقصاں ہوئے زمان ومکاں
خبر نہیں کہ کیا آئے گا ظہور میں آج
تیری نگاہ محبت کا فیض کیا کہنا
غرور اب نہیں باقی، سر غرور میں آج
عزیز ہوگئیں ان کی ادائیں سب دل کو
عجیب شان نمایاں ہوئی شعور میں آج

راہ عشق میں کس طرح چلنا چاہئے، اس لئے کہ اس راستہ میں چور اور ڈاکو گھات لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں، تاکہ آپ کو راہ عشق ومحبت سے ہٹا کر اپنے نفس امارہ کو تسکین دلائیں:

ارشاد ہے:

دیکھیں ذرا سنبھل کے چلیں راہ عشق میں
ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں چوک جائیے
ہوشیار باش، راہ میں ڈاکو ہیں، چور ہیں
چلئے، سنبھل کے آپ، کہیں لٹ نہ جائیے

دل چاہتا ہے اپنا کہیں اب نہ جائیے
یہ داستان عشق ہے، کس کو سنائیے
ہوش وخرد کا کام نہیں راہِ عشق میں
ان کی طلب میں اپنے کو مجنوں بنائیے

اب ذرا عشق کی مناسبت سے عشق کی وسعتوں میں کھو جائیے اور جگر مرادآبادی کے یہ دو شعر سماعت فرمائیے:

عشق کی وسعتیں، خدا کی پناہ
حوصلہ چاہئے وفا کے لئے
مجھ کو جو چاہو ناصحو کہہ لو
کچھ نہ کہنا، اسے خدا کے لئے

اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے اپنی گفتگو ختم کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

☆☆☆☆☆

''عرفانِ محبت'' آئینۂ عرفان و محبت

پروفیسر عبدالقادر جعفری
صدر شعبہ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی۔ الہ آباد

حضرت مولانا محمد احمد کی ذات گرامی اسوۂ نبویہ کی حامل واخلاق محمدیہ کی زندہ مثال تھی۔ یقیناً آپ اولیاء سابقین وسلف صالحین کی مجسم یادگار اور تواضع وانکساری اور شفقت ومحبت کے پیکر تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حیوۃ المسلمین میں جس اسلامی ضابطہ حیات کی تصویر پیش کی حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی کی زندگی اس کا عملی نمونہ تھی۔ کیونکہ:

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

میں یہاں ان کی حیات طیبہ کی تفصیل نہیں، بلکہ ان کے کلام ''عرفان محبت'' کا مختصر خاکہ پیش کروں گا۔ ان کے کلام میں عشق وعرفان کی مختلف کیفیات اور جذبات واحساسات کی ترجمانی کے ساتھ شریعت وطریقت کے مختلف مسائل کی تشریح ملتی ہے۔ چونکہ وہ ایک صوفی باعمل تھے اور معرفت الٰہی کا رنگ ان کی طبیعت میں پیوست تھا۔ انہوں نے تصوف کے مختلف مسائل کو اپنے اشعار میں بہت خوبی سے بیان کیا ہے۔ ان کے یہاں حیات وکائنات کے مسائل کی ترجمانی بھی ہے۔ انہوں نے زندگی کی بے ثباتی کو شدت سے محسوس کیا اور اس کی ترجمانی مختلف انداز سے کی۔ ان کے خیالات میں گہرائی، جذبات میں خلوص اور اظہار میں زبردست کیفیت ہے۔ ان کے یہاں شروع سے آخر تک ایک لہجہ اور ایک آواز ہے آوازوں کا تصادم اور کشمکش نہیں ان کے لہجہ کی خوش آہنگی اور شیرینی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ان کے یہاں، فن پر بہت سے پردے ہیں اور نہ فکر وخیال میں پیچ وخم، اس لئے وہ ہمیں بصیرت عطا کرتے ہیں۔ عرفان محبت کے اشعار مولانا کے پیام عشق کا اہم حصہ ہیں جس سے کوئی ورق خالی نہیں۔ حضرت کے پیام عشق کا ایک پہلو عشق کا ادراک اور عرفان ہے وہ عشق کے مثبت پہلو کو قبول کرتے ہیں اور منفی پہلو سے گریز۔ یعنی عشق حقیقی کا کما حقہ احترام کرتے ہیں اور غیر حقیقی (عشق مجازی) کے نقصانات سے متنبہ کرتے ہیں۔ یہ امر مصدقہ ہے کہ عشق ایسی قوت وتوانائی ہے جس کے سامنے زمین وآسمان اور بحر وبر کی کوئی وقعت نہیں۔ عشق جس طرح چاہے انہیں مغلوب کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ خالق کائنات کی صفات عالیہ کا مظہر ہے۔ صوفیاء کے نزدیک حق تعالی سے محبت کا بنیادی تقاضا تفویض وسپردگی ہے۔ اس وسیلے سے بارگاہ الٰہی سے انہیں ایسے انعام واکرام ملتے ہیں جن کا تصور محال ہے۔ حضرت والا کا کلام بھی انوار نسبت سے پر اور قلوب عاشقین وسالکین کے لئے آب حیات ہے۔

حضرت مولانا محمد احمد خود فرماتے تھے کہ جب تک عرفان محبت طبع نہیں ہوئی تھی اشعار کی آمد ہوتی رہتی اور جب شائع ہوئی ایک غزل کے سوا کوئی شعر نہیں آیا۔ یعنی اللہ تعالی نے حضرت سے بہت سے حقائق ومعرفت کے مسائل آسان اور سہل زبان میں منظوم کرادیے۔ کہا کرتے تھے سنیے جو اشعار میں پڑھ رہا ہوں اس میں بھی دین کی دعوت اور تبلیغ ہے۔ مبلغ وداعی کا کلام خواہ نظم میں ہو یا نثر میں اس میں بات اللہ اور اس کے رسول کی ہونی چاہئے۔ اور شریعت وسنت کی ترجمانی ہونی چاہئے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ جو اشعار دینی مضامین پر مشتمل ہوں۔ ان

کے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اہل اللہ کا کلام خواہ منظوم ہو یا منثور یکساں تاثیر رکھتا ہے کیونکہ وہ ان کی کیفیات قلبی کا حامل اور عشق ومحبت کا مورث ہوتا ہے اور اکثر دل میں ایک ہیجان برپا کردیتا ہے۔ اس لئے حضرت فرماتے تھے۔

محفل میں آج ساز محبت کو چھیڑ کر
جو اہل عشق ہیں انہیں تڑپا رہے ہیں ہم
ہر چیز کو نگاہ محبت سے دیکھ کر
طوفان بحر عشق میں اب لا رہے ہیں ہم

بہر حال حضرت کے اشعار کو عام شعراء کے اشعار کی صف میں لانا درست نہیں۔ اس کی حیثیت کو پہچاننا اور اس کے مطابق ادراک معنی ضروری ہے۔ یقیناً یہ واردات قلبیہ الہامات ربانیہ ہیں اور مواعظ قرآنیہ وتعلیمات نبویہ کو اشعار میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت خود فرماتے تھے۔

دردوغم کی داستاں ہے یہ نہیں شعر وسخن
تو تڑپ اٹھتا لگی ہوتی اگر دل میں لگن

عشق کا دریا بہانے سے مراد کیفیات قلبیہ سے سامعین کو متاثر کرنا اور نغمہ مستانہ سے قلوب کو گرمانا ہے۔ کیونکہ:

از کتابت کئے شود دل را سکون
گوش خواہد نغمۂ مستانہ ای

حضرت کا سارا کلام علوم ومعارف کا خزانہ اور ہر شعر علم ومعرفت اور تصوف کی ایک کتاب ہے۔ جس طرح حضرت خود سراپا عشق ومحبت تھے۔ اسی طرح ان کا کلام بھی عشق ومحبت سے لبریز ہے۔ ان کے کلام میں عشق کی سرمستی اور منازل ومقامات عرفان کے ذکر کے ساتھ پند وموعظت کی بھی ایک زیریں لہر ہے اور لطف یہ کہ فنافی المحبوب کا رنگ پند وموعظت کی موج میں بہتا نہیں بلکہ صبغۃ اللہی کیفیت کو تیز تر کردیتا ہے جسکی بنا پر ان کے کلام کو سراپا حکایت مہر ووفا کہا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھی کا کلام فنی پیچیدگیوں سے عاری اور آمد سے پر ہے۔ ان کے یہاں کیفیات و واردات کا براہ راست بیان ہے۔ لہذا ان کے اشعار ''از دل خیزد بر بر دل ریزد'' کے مصداق ہیں۔ کہتے ہیں:

اسے نسیان کامل غیر سے واللہ ہوتا ہے
عجب کچھ شان دیکھی میں نے بیمار محبت میں

یہ معراج محبت ہے یہ اعجاز محبت ہے
کہ سلطان جہاں ہو کر بھی بے نام ونشاں رہنا

عشق کی شان نرالی ہے انوکھی احمد
کہ لگائے سے لگے اور بجھائے نہ بجھے

عشق نے احمد مجلی کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

یہاں حضرت نے عشق حقیقی اور عشق مجازی کا فرق واضح کردیا ہے۔ کیونکہ عشق در اصل وہ محرک ہے جو آدمی کو انسانیت سکھاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

قتل کے بعد بھی نادم وہ جفا سے نہ ہوا
اس نے سیکھا ہی نہیں ہائے پشیماں ہونا

مزید فرماتے ہیں:

کہہ رہا ہوں میں ہوش میں کیا کیا
کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی
گلشن سے عشق ہے مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

حضرت نے ان اشعار میں عارفانہ اور شاعرانہ کمال

دونوں کا حق بدرجہ احسن ادا کیا ہے۔ جو میخانہ وحدت سے سر شار ہے۔ فرماتے ہیں۔

مبارک ان کو جو ہیں غرق افکار محبت میں
پہنچ جائینگے اک دن اڑ کے گلزار محبت میں
کوئی نازاں نہ ہو گر جان بھی ان پر فدا کر دے
نہیں کچھ جان کی قیمت ہے بازار محبت میں
محبت کے جو دیوانے ہیں ان کا حال تو یہ ہے
مزا آتا ہے ان کو صرف اذکار محبت میں
نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستار فضیلت گم ہو دستار محبت میں
نہ مہکے گا تو خوشبوئے محبت سے قیامت تک
جلے گا تو نہ جبتک شوق سے نار محبت میں
خدا کا فضل ہے ورنہ میں اس قابل نہ تھا احمد
کہ میں نے آگ جو بھر دی ہے اشعار محبت میں

چونکہ حضرت تصوف کے اسرار و حقائق کے محرم اور صاحب حال تھے اس لئے ان کے اشعار میں ان کی کیفیات باطنی اور حرارت عشق کا اثر نمایاں ہے۔ اللہ نے ان کو عشق و مستی کی یہ کیفیت اور اسی کے ساتھ طبیعت کی موزونیت عطا فرمائی جس سے ان کے کلام میں عشق و محبت اور گرمی و سرمستی اتنی نظر آتی ہے کہ ان کے دیوان کا نام حقیقی معنوں میں عرفان محبت ہے فرماتے ہیں۔

میں تو اس قابل نہ تھا لیکن جنوں کے فیض سے
کھول دی ہے میں نے بھی احمد دکان زندگی

یہ جوش و مستی بے خودی اور وارفتگی بغیر باطنی کیفیت اندرونی سرشاری اور میخانۂ عشق سے براہ راست تعلق کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ حضرت کا ہر شعر جذب و کیف اور نسبت باطنی کی بلندیوں کا اہل نظر اور اہل دل کے لئے غماز ہے اور نا آشنائے درد کو آشنائے درد کرتا ہے۔ غرض کہ حضرت جس طرح خود سراپا عشق و محبت تھے اسی طرح ان کے اشعار بھی عشق محبت کے آئینہ دار اور رہ رواں شریعت و طریقت کے لئے شمع رہنما۔ حضرت کے اشعار کی یہی خصوصیت ہے کہ ہر شعر مستقل ایک وعظ اور علوم و معارف کا ایک ایک باب ہے یہ محض شاعری نہیں بلکہ واردات قلبی ہے جسے اگر الہامی کلام کہا جائے تو نہ کوئی مبالغہ ہوگا اور نہ بیجا بات۔ کیونکہ:

عجب عالم ہوا !اللہ اکبر اہل محفل کا
حدیث عشق کی احمد نے جب شرح فرمائی

مختصر یہ کہ حضرت والا کا منظوم کلام عامیانہ شاعری نہیں بلکہ وہ ایک عارفانہ منظوم کلام ہے ان کی شاعری کا عنصر گل و بلبل کی داستان یا ساغر و مینا کی حکایت نہیں بلکہ ان کی شاعری کا محور و مرکز درس توحید، توقیر رسالت، درد محبت، نور معرفت اور تعلیم پابندی شریعت ہے۔ ان کی شاعری میر و غالب کی شاعری نہیں رومی و عطار کا عکس ہے وہ اپنے اشعار سے انسان کو درد محبت سے آشنائی اور معرفت کا راستہ دکھاتے ہیں اور ان سے سالکین کی تربیت فرماتے ہیں۔ ان کا مطمع نظر عام شاعروں جیسا نہیں ان کے کلام میں شاعرانہ فنکاری نہیں ان کا کلام عارفانہ و عاشقانہ و مربیانہ ہے۔

اللہ پاک ان کے کلام کو اپنے بندگان کی ہدایت اور محبت و عرفان کا وسیلہ بنائے، کیونکہ ایسے ہی شاعر اور شعر کے لئے کہا گیا ہے کہ:

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود پربست وچشم ما کشاد

عرفانِ محبت کا رنگ و آہنگ

پروفیسر ظفر احمد صدیقی شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

خواجہ الطاف حسین حالی اپنی معرکہ آرا کتاب مقدمہ شعر وشاعری میں لکھتے ہیں:

غزل کو جن لوگوں نے چمکایا اور مقبول خاص وعام بنایا ہے، یہ وہ لوگ تھے جو آج تک اہل اللہ اور صاحب باطن یا کم سے کم عشق الٰہی کا راگ گانے والے سمجھے جاتے ہیں، جیسے سعدی، رومی، خسرو، حافظ، عراقی، مغربی، احمد جام اور جامی وغیرہم۔ ان بزرگوں سے پہلے غزل کی طرف زیادہ زیادہ اعتنا نہیں پایا جاتا۔

مولانا حالی اسی تسلسل میں مزید لکھتے ہیں:

ہم نے حیات سعدی میں کسی موقع پر بیان کیا ہے کہ ان کی غزل کا موضوع جیسا کہ ظاہر لفظ سے مفہوم ہوتا ہے عشق مجازی نہ تھا بلکہ وہ حقیقت کو مجازی کے پردے میں ظاہر کرتے یا یوں کہو کہ چھپاتے تھے۔ ان کے ایک ایک لفظ سے پایا جاتا ہے کہ وہ عشق ومحبت کے رنگ میں شور بور تھے۔ ان کے کلام میں ضرور کوئی ایسی چیز ہے جس کو روحانیت کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ان کی غزل سن کر دنیا کی بے ثباتی اور بے اعتباری کا سماں دل پر چھا جاتا ہے۔

ان دونوں اقتباسات کے نقل سے اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ حضرت پرتاپ گڑھی نور اللہ مرقدہ بھی سعدی ورومی اور عراقی وجامی کی طرح اہل اللہ اور صاحب باطن میں سے تھے اور انہوں نے بھی اپنی شاعری میں درحقیقت عشق الٰہی کا ہی راگ گایا ہے۔ بلاشبہ وہ بھی سعدی کی طرح عشق ومحبت کے رنگ میں شرابور تھے۔ ان کا کلام بھی از اول تا آخر روحانیت سے لب ریز ہے اور ان کی غزلیں پڑھ کر بھی دنیا کی بے ثباتی اور بے اعتباری کا سماں دل پر چھا جاتا ہے۔

حالی نے سعدی کے بارے میں سچ لکھا ہے کہ وہ حقیقت کو مجاز کے پردے میں ظاہر کرتے ہیں۔ یہ صرف انہی کی خصوصیت نہیں، دوسرے صوفی شعرا بھی غزل میں عموماً یہی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سنائی کی ایک غزل ملاحظہ ہو۔ یہ سات ابیات پر مشتمل ہے اور آخری شعر کے علاوہ ہر شعر میں حقیقت کو پردۂ مجاز میں ظاہر کیا گیا ہے:

عقل وجانم برد، شوخے، آفتے، عیارہ اے
باد دستے، خاکیے، بے آبے، آتش پارہ اے

زیں یکے شنگ، بلائے، فتنہ اے، شنگو بلہ اے
پائے بازے، سرزنے، دردی کشے، خونخوارہ اے
کہ در ایماں ازرخ ایمان فزایش جستے
گاہ بر کفر از دو زلف کافرش پیغارہ اے
کے بدیں وکفرو بدیں ایمان من تن در دہد
ہر کرا باشد چناں زلف وچناں رخسارہ اے
ہر زماں در زلف جاں آویز اوگر بنگری
خون خلقے تازہ یابی در خم ہر تارہ اے
ہر زماں بینی زشور زلف او برخاستہ
درمیان عاشقاں آوازۂ آوارہ اے
نقش خود را چینیاں از جاں ہمی خدمت کنند
نقش حق را آخر اے مستاں کم از نظارہ اے

اس غزل کے تمام استعارے اور کنائے ظاہر الفاظ کے لحاظ سے مجاز سے علاقہ رکھتے ہیں۔ان سب کے بالمقابل حضرت پرتاپ گڈھی کا امتیاز یہ ہے وہ اظہار حقیقت کے لئے لباس مجاز کی احتیاج نہیں رکھتے، بلکہ وہ حقائق کا براہ راست اظہار غیر عارفانہ قوت کے ساتھ کرتے ہیں۔نمونے کے طور پر یہ غزل دیکھیے:

سمجھتا ہے جسے نا مہر بانی
ارے ناداں وہ ہے لطف نہانی
جو ان کی یاد میں مست وسرشار
اسی کو ڈھونڈتی ہے کامرانی
محبت نے کرم جس پر کیا ہے
اسے حاصل ہر دم شادمانی
وہ کیا جانے بہار کیف ومستی
نہیں ہے جس پہ ان کی مہربانی
جو آسکتا نہیں وہم وگماں میں
اسے کیا پا سکیں لفظ ومعانی
کوئی اہل محبت سے تو پوچھے
عجب شے ہے صدائے لن ترانی
نہیں تیر محبت کا جو گھائل
اسے معلوم کیا سوز نہانی
بصیرت کی نظر جب سے ملی ہے
خود اپنے سے ہے مجھ کو بدگمانی
کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے
مجھے خود کردیا روح المعانی
کہاں میں اور کہاں یہ کیف ایماں
مرے اللہ تیری مہربانی
جو ان کا ہو گیا احمد اسی کو
ملا کرتا ہے عیش جاودانی

حضرت کے کلام بلاغت نظام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ قال کے بجائے حال پر مبنی ہے اور چونکہ وہ خود سراپا عشق ومحبت، جذب ومستی اور کیف وسرور کی تصویر تھے اس لئے ان کا کلام بھی انھی صفات وکردار کا حامل ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں غزل کے روایتی مضامین وموضوعات کے بجائے محبت ومعرفت کے ایوان وانوار نظر آتے ہیں۔
حضرت علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش (ف ۴۶۵ھ) نے کشف المحجوب میں ایک باب محبت سے متعلق تحریر

فرمایا ہے۔اس میں وہ محبت کی حقیقت لغویہ سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وبہ معنی لغت گویند کہ محبت ماخوذ است ازحبہ بہ کسر حاوآں تخم ہائے بود کہ اندر صحرا برزمین افتد، پس حب را حب نام کردند از انچہ اصل حیات اندران خاک پنہاں شود، باراں ہا براں می آید، آفتاب ہا براں می تابد وسرماوگرما براں می گذرد وآں بہ تغیر از منہ متغیر نگردد، چوں وقت وے فرارسد بروید وگل برآرد وثمرہ دہد، ہم چنیں حب اندر دل چون مسکن گیرد بہ حضور و غیبت، وبلا ومحنت، ولذت وفراق ووصال متغیر نگردد''۔

معنی لغوی کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ محبت حبہ بہ کسر حا سے ماخوذ ہے۔حبہ ان بیجوں کو کہتے ہیں جو صحرا میں زمین پر گر جاتے ہیں۔پس حب کو حب اس لیے کہتے ہیں کہ زندگی کی اصل اسی میں ہے، جس طرح نباتات کی اصل بیج میں ہوتی ہے، جو طرح بیج صحراؤں میں بکھر جاتا ہے اور خاک میں پنہاں ہو جاتا ہے۔بارشیں اس پر آتی ہیں، سورج اس پر چمکتا ہے اور سرما و گرما کے موسم اس پر گذرتے ہیں اور وہ زمانوں کی تبدیلی سے متغیر نہیں ہوتا۔بلکہ جب اس کا وقت آپہنچتا ہے تو اگ آتا ہے، پھول لاتا ہے اور پھل دیتا ہے، اسی طرح محبت جب دل میں گھر کر لیتی ہے تو حضور و غیبت، ابتلا ومشقت اور لذت وفراق ووصال سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

شیخ ہجویری کے اس بیان کو پیش نظر رکھ کر حضرت پرتاپ گڈھی کے کلام کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ حقیقت محبت کے متعلق جو کچھ شیخ نے فرمایا ہے، وہ حضرت کا حال تھا اور اسی کی ترجمانی انہوں نے اپنے کلام میں جا بہ جا کی ہے۔مثلاً یہ اشعار دیکھیے:

بخشا کسی کو قرب وحضوری
اور کسی کو لذت دوری
حاصل اب جان حضوری
اللہ رے شان مہجوری
خود ہی نہیں احساس حضوری
ورنہ کبھی ان سے نہیں دوری
جس کو ابھی ہے شکوۂ دوری
اس کی محبت ہی ہے ادھوری
قرب کی لذت لوٹنے والو
جان محبت ہے غم دوری
اہل محبت کے مذہب میں
غیبت بھی ہے عین حضوری
دوستو! ہے معراج محبت
عشق میں عاشق کی مجبوری
ہوتی نہ یوں تکمیل محبت
اپنی تمنا ہوتی جو پوری

ان کی مرضی پیش نظر ہے
کیسی قربت، کیسی دوری
ان کی طلب ہے مقصد اعظم
اور ہر اک شے غیر ضروری
فرقت وقربت حضرت ناصح
عشق میں دونوں ہی ہیں ضروری
اللہ اللہ، اللہ اللہ
خاکی بھی ہے اب تو نوری
ہر جلوہ پر دہ ہے احمد
قربت ہے اور پھر بھی دوری

حضرت کے کلام کی ایک اور صفت آمد اور روانی ہے۔آپ کے مجموعۂ کلام عرفان محبت کا کہیں سے بھی مطالعہ کیا جائے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکمت ومعرفت کا ایک دریا موجزن ہے اور مطالب ومضامین شعر کے قالب میں خود بہ خود ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔حضرت مولانا حکیم اختر صاحب کے درج ذیل بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابتدا میں حضرت کی طبیعت کا رجحان اس طرف بالکل نہ تھا،لیکن چالیس سال کی عمر کے بعد اچانک خود بہ خود اشعار کا بہ کثرت ورود ہونے لگا۔حتی کہ بسا اوقات ایسی کیفیت ہوتی کہ اشعار کا دریا امڈنے لگتا۔حضرت زبانی اشعار بولتے جاتے اور دو دو حضرات قلم کاغذ لے کر بیٹھے رہتے اور ان کو ضبط کرتے جاتے۔یہ سلسلہ گھنٹوں رہتا،لوگ لکھتے لکھتے تھک جاتے اور کبھی کبھی تو ساری رات گذر جاتی مگر یہ سلسلہ منقطع نہ ہوتا''۔

حضرت کے یہاں بعض زمینوں میں غزلوں پر غزلیں اور مطلعوں پر مطلع اور مصرعوں میں داخلی قوافی اور ترصیع اسی آمد اور الہامی کیفیت کا فیضان ہیں۔ایک غزل کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ فیضان محبت ہے ،یہ احسان محبت ہے
سراپا داستاں ہوتے ہوئے بے داستاں رہنا
یہی شان محبت ہے،یہی آن محبت ہے
انہیں کا ہو کے رہنا چاہے کچھ بھی ہو جہاں رہنا
یہی ضبط محبت ہے ،یہی شرط محبت ہے
تڑپنا رات دن اور پھر بھی بے آہ وفغاں رہنا
یہ معراج محبت ہے ،یہ اعجاز محبت ہے
ہزاروں زخم کھا کر مسکرانا شادماں رہنا
یہ عرفان محبت ہے ،یہ برہان محبت ہے
کہ سلطان جہاں ہو کر بھی بے نام ونشاں رہنا

امیر خسرو نے اپنے دیوان ''غرۃ الکمال'' کے دیباچے میں شاعری کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔پروفیسر لطف اللہ کے قلم سے ذیل میں اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

منطق کے قاعدے کے لحاظ سے شعر کی چار صورتیں ہوتی ہیں (۱) یابس (۲) معتدل (۳) رطب (۴) محرق۔

پہلی شکل یابس (خشک) ہے اور وہ یہ ہے کہ (فن پارے) میں صنائع لفظی کا غلبہ ہوتا ہے۔نظم پیوست کے منفی

اثرات کے باعث معیوب ہوجاتی ہے۔

دوسری شکل معتدل ہے۔ یہ وہ طرز ہے جسے شاعرانہ کہتے ہیں اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رعایت لفظی کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ طرز مزین نہیں ہوتی، سلیس ہوتی ہے، جب بیشتر معنوی خوبیاں جیسے استغراق، مبالغہ، ایہام اور خیال خشک لفظوں سے پیوست ہو جاتے ہیں تو طرز کلام معتدل ہوجاتا ہے۔

تیسری شکل رطب (سرسبزہ وتازہ) ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس طرز میں سلاست وجزالت غالب ہوتی ہے۔ بہ تکلف رعایات لفظی کا استعمال نہیں ہوتا اور نہ معنی کی رعایتیں بہ تکلف برتی جاتی ہیں۔ شعر اس روانی سے پڑھا جا سکتا ہے کہ فوراً معنیٰ تک رسائی ہوجاتی ہے، حتی کہ ناخواندہ کو بھی شعر کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس طرز کو سہل ممتنع کہتے ہیں۔

چوتھی شکل محرق ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں شاعری کی مذکورہ طرزوں کی رعایتیں بہت کم ہوتی ہیں۔ خالق شعر بے ارادہ دل سوختہ کے اندرونی اثر سے اور خستہ حالی اور فرقت کے باعث جل اٹھتا ہے اور دلوں کو محو کر دیتا ہے اور ان میں آگ بھڑکا دیتا ہے۔ یہ روحانیوں کی شراب ہے جو ہر شاعر کے کاسۂ سر میں نہیں سما سکتی۔

حضرت پرتاپ گڑھی کے کلام کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اسلوب شعر امیر خسرو کی بیان کردہ چوتھی طرز شعر یعنی محرق سے زیادہ مناسب رکھتا ہے۔ کیونکہ یہاں بھی شاعری کا محرک دل بریاں کا اندرونی اثر اور باطنی احوال وکوائف ہیں اور یہاں بھی شاعرانہ رعایات وتکلفات کا کوئی اہتمام نہیں پایا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے غیبت میں حضور کو اور سوزش وبرشتگی میں مسرت وراحت کو آمیز کر دیا ہے۔ اس لیے مجموعی طور پر ان کے یہاں سکون وطمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ درج ذیل غزل میں یہ کیفیت بہ طور خاص نمایاں ہے:

ترا آنا مرے احساس میں جان مسرت ہے
مگر جانا ستم ہے، غم ہے، حسرت ہے قیامت ہے
تری قربت میں پوشیدہ بہار کیف جنت ہے
تڑپنا ہجر میں تیرے محبت کی ضمانت ہے
محبت در حقیقت دوستو فیض رسالت ہے
محبت ہی میں پنہاں دین ودنیا کی سعادت ہے
محبت جس کو حاصل، اس کو حاصل استقامت ہے
کوئی بھی حال ہو، ہر حال ہی میں اس کو راحت ہے
کرم سے اپنے بخشی تو نے توفیق انابت ہے
یہ وہ دولت ہے، جو واللہ صد رشک کرامت ہے
مری آنکھوں سے جاری ہر گھڑی اشک ندامت ہے
شب تاریک، بیم موج، گرداب چنیں حائل
مبارک ہو اسے جو سالک راہ طریقت ہے

حضرت کے کلام کو مسک الختام بناتے ہوئے اس گفتگو کو یہیں پر ختم کیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

تزکیہ واحسان کی تعلیم عرفان محبت میں

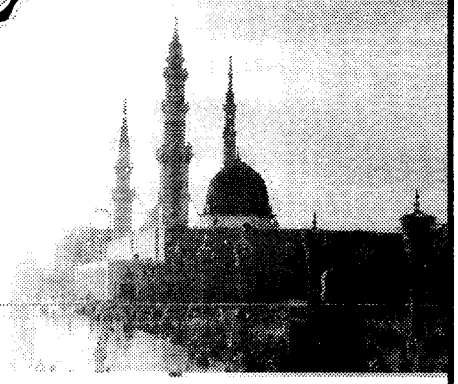

مفتی زین الاسلام قاسمی
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ذکر الانبیاء من العبادۃ وذکر الصالحین کفارۃ، یعنی انبیاء کرام علیہم وعلی نبینا الصلوۃ السلام کا ذکر عبادت ہے اور صالحین کا تذکرہ گناہوں کا کفارہ ہے، نیز یہ الفاظ بھی منقول وماثور ہیں عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ، صالحین کے ذکر وتذکرہ کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، یقیناً آج کے سیمنار کا موضوع باعث رفع درجات اور ہم گنہ گاروں کے لئے انشاء اللہ کفارہ سیئات ہوگا۔ حضرت مولانا محمد احمد قدس سرہ نے سلوک وتزکیہ کے لئے جو زبان استعمال فرمائی ہے جو لب ولہجہ اپنایا وہ سوز ودرد اور عشق ومحبت سے لبریز ہے غزل کے تخیل میں عشق الٰہی کی راہ طے کرائی ہے، تزکیہ واحسان کے لئے ایسی زبان وبیان کا استعمال فرمانا اس کتاب کے ادبی پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ حضرت شیخ المشائخ مولانا شاہ محمد احمد پرتاپگڑھی قدس سرہ کی شاعری اور ان کا شاعرانہ کلام مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے الفاظ میں یقیناً صدائے ربانی اور نغمہ لاہوتی ہے اس میں عشق الٰہی کی مستی وسرشاری، محبت کی گرمی اور شعلہ نوائی، جذبات کی لطافت وپاکیزگی، خیالات کی معنویت اور گہرائی کے ساتھ قلبی واردات اور باطنی کیفیات کا ترجمان اور بادۂ معرفت کا ایک چھلکتا جام ہے۔

حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن الحسنی الندوی عرفان محبت کے مقدمہ میں اردو کی صوفیانہ شاعری کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ”یہاں جو کچھ ہے اصل ہی اصل ہے کیفیات باطنی ہیں اور واردات دل، چاشنی وغمکینی ترکیب کی چستی اور کلام کی برجستگی، استعاروں اور تشبیہات کی نزاکت ولطافت یہ سب چیزیں مانگے کی ہوسکتی ہیں لیکن جوش ومستی بے خودی ووارفتگی، بغیر باطنی کیفیت اندرونی سرشاری مئے خانۂ عشق سے براہ راست ربط وتعلق کے پیدا نہیں ہوسکتی۔

آگے اردو کی صوفیانہ شاعری کے مختلف ادوار کا ذکر کرتے ہوئے خواجہ عزیز الحسن مجذوب کا ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ:۔

حضرت مجذوب کے بعد دوسرے بزرگ جو سندان عشق اور جام شریعت کے جامع نظر آئے حضرت مولانا محمد احمد صاحب ہیں ان کی تعلیم وتربیت ان کا ماحول، ان کے معمولات زندگی کسی چیز سے بھی کسی اجنبی کو اندازہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ نے ان کو عشق ومستی کی یہ کیفیت اور اس کے ساتھ طبیعت کی موزونیت عطا فرمائی ہے کہ ان کا کلام عشق ومستی سے بھرپور اور معرفت ومحبت کا شراب طہور نظر آتا

ہے۔ان کے کلام میں عشق ومحبت کا مضمون اور گرمی وسرمستی اتنی نظر آتی ہے کہ ان کے دیوان کا نام صحیح معنی میں عرفان محبت ہی ہوسکتا ہے۔حضرت محدث کبیر علامۃ العصر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ نے عرفان محبت میں بطور تقریظ وتأثر جو تحریر فرمایا اس کا ایک حصہ نقل کرتا ہوں۔فرماتے ہیں: مولانا کا منظوم کلام عام یا عامیانہ شاعری کی طرز پر نہیں ہے بلکہ وہ ایک عارفانہ منظوم کلام ہے۔مولانا کی شاعری کا عنصر گل وبلبل کی داستاں یا ساغر وصہبا اور قلقل مینا کی حکایت نہیں ہے،ان کی شاعری کا عنصر درس توحید وتوقیر رسالت دردمحبت نور معرفت تسلیک وتربیت ہے۔ان کی شاعری میں غالب کی شاعری کا نہیں بلکہ،مولانائے روم کی شاعری کا رنگ جھلکتا ہے۔ان کا کلام عارفانہ اور مربیانہ ہے۔

حضرت محدث کبیر علیہ الرحمۃ نے آخر میں حضرت کی شاعری کے جس اہم عنصر کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ تسلیک وتربیت ہے۔یعنی تزکیہ واحسان حضرت کے مجموعہ کلام کا یہ جلی عنوان ہے۔کیونکہ حضرت کے کلام میں راہ سلوک کے ہر ہر مرحلہ کے نشانات اور شیخ طریقت کی صحبت پیر میخانہ کی بزم اور چشمہ صافی کے فیضان کے دل کش جلوے ملتے ہیں اور مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے کلام میں مبتدی، متوسط اور منتہی ہر ایک کے لئے تعلیم موجود ہے۔

اکابر طریقت کے یہاں سلوک وتربیت کے سلسلہ کی ہدایات بالعموم نثر میں ملتی ہیں (حضرت خواجہ صاحب کو مستثنیٰ کر کے) حضرت والا قدس سرہ کے منظوم کلام میں تزکیہ واحسان کی ہدایات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اس طریق کے منازل اور گھاٹیوں اور موانع طریق امور کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ان ہدایات پر کاربند ہونا اور عملی زندگی میں انہیں اختیار کرنا سالک کے لئے ضروری ہوتا ہے۔تاکہ رذائل نفس دور ہو کر اخلاق فاضلہ سے آراستگی ہو۔تلوین کے دائرہ سے نکل کر تمکین کے پرفضا ماحول تک اسکی رسائی ہو۔اور آخر میں وصول الی اللہ کی دولت اور معرفت خداوندی کی سعادت سے وہ بہرور ہو سکے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سلوک وطریقت، تزکیہ واحسان کا خلاصہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ: حق تعالی شانہ تک پہونچنے کا یہی راستہ ہے کہ اخلاق رذیلہ دور ہو جائیں، اور اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائیں۔معاصی چھوٹ جائیں، طاعت کی توفیق ہو جائے، غفلت من اللہ جاتی رہے اور توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔اوصاف مذمومہ دور ہو کر اوصاف حمیدہ پیدا ہونے کو تحلیہ وتزکیہ کہتے ہیں۔جسکے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے عیوب ونقائص کا باریک بینی سے جائزہ لے،اور کسی متبع سنت شیخ کامل کے رابطہ میں رہ کر تزکیہ وتحلیہ کی راہ طے کرے۔اس مقصد کے لئے سالک کے واسطے کسی شیخ کے دامن تربیت سے وابستہ ہونا ضروری ہوتا ہے،حضرت والا قدس سرہ اپنے اشعار میں نہایت سہل وآسان طرز پر اس امر کی طرف متوجہ فرمارہے ہیں۔

نہ جب تک تزکیہ ہو نفس کا خطرہ ہی خطرہ ہے
رہیں گے عمر بھر گھیرے ہوئے افکار شیطانی

تسلیم کہ حاصل تجھے ہر علم وہنر ہے
لیکن یہ بتا کچھ تجھے اپنی بھی خبر ہے

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ میرے ساتھ آیئے

میں چل رہا ہوں منزل مقصود کی طرف
چلنا ہو آپ کو بھی تو ہمراہ آیئے

مذکورہ اشعار میں محبت کی چاشنی اور ادا کی سادگی و بے تکلفی بھی لائق توجہ ہے۔ مزید فرماتے ہیں:۔

ملی نہ جسکو صحبت، شیخ کامل کی سمجھ لیجے
وہ ہو سکتا نہیں ہے واقف اسرار ربانی

عشق الٰہی کے طریق میں قدم رکھنے کے لئے نیت درست کرنے اور اخلاص پیدا کرنے کا سبق بزرگان طریقت کے یہاں اہمیت کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اخلاص کہتے ہیں اپنی طرف سے صرف اللہ کے قرب و رضا کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی و رضا مندی یا اپنی کسی نفسانی خواہش کو ملنے نہ دینا۔ طلب صدق سلوک کا اہم جزء ہے جس کے نتیجہ میں جذب الٰہی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ "اللہ یجتبی من یشاء ویھدی الیہ من ینیب" ہدایت تو ہر رجوع الی اللہ کرنیوالے طالب کو مل جاتی ہے۔ مگر اجتباء اللہ کا خاص انعام ہے جو طالبین صادق اور مخلصین کو ہی عطا ہوتا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ہیں صادق آپ گرائے دوست اقرار محبت میں
طلب خود کر لئے جائیں گے دربار محبت میں

راہ جذب و سلوک طے کرنے کے دوران کبھی ہمت پست اور ارادہ مضمحل ہونے لگتا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ جو راہ عشق کے کہنہ مشق شہ سوار ہیں حدی خوانی کرتے ہوئے اچھوتے اور محبت آمیز انداز پر مسافران طریق کی ہمت باندھتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

کام لے ہمت سے، چل اب کوئے جاناں کی طرف
تو نہ گھبرا فاصلہ کچھ بھی نہیں دو گام ہے

ہمت کا پیدا کرنا اور اس سے کام لینا، سالکین کی تربیت کا مہتم بالشان جزء ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محب و محبوب بننا چاہو تو اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو، دوسری جگہ فرماتے ہیں، معصیت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اول خود ہمت کرے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ سے ہمت طلب کرے اور خاصان خدا سے بھی دعا کرائے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں، تصوف کا مقصود اصلی ادائے مامور بہ ہے اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے اور امر اختیاری کا ہر شخص اہل ہے، اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے کچھ نہیں۔ راہ عشق میں غفلت سخت مضر ہے انسان نادانی کی زندگی میں پڑا ہوا ہنسی تفریح میں وقت گزاری کرتا ہے کبھی ندامت کے آنسو سے اسکی آنکھیں نم نہیں ہوتیں، ماحول کی زیب و زینت، رعنائی و خوشنمائی اسے غفلت میں ڈالے رہتی ہے، حضرت والا قدس سرہ اسکے اندر احساس زیاں پیدا کرتے ہوئے خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔

غافل تو ایک دن نہ کہیں شرمسار ہو
گل تو سمجھ رہا ہے جسے وہ نہ خار ہو
مشغول ہو کے غیر میں کیوں کر رہا ہے دیر
دربار حسن میں نہ ترا انتظار ہو

مزید آنکھوں میں نمی پیدا کرنے کی تلقین اس طرح فرماتے ہیں:

تجھ سے زیادہ دہر میں کون گنہ گار ہے
پھر بھی تو ہنس رہا ہے آہ کیوں نہیں اشکبار ہے

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا" یعنی چاہئے کہ ہنسو کم اور روؤ زیادہ، اور حدیث میں ہے:

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لو تعلمون ما اعلم لبکیتم کثیرا

ولضحکتم قلیلا (مشکوۃ)

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر وہ باتیں تمہیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم کثرت سے روتے، اور ہنسنا تمہارا کم ہوتا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "وابك على خطيئتك" اپنے گناہوں پر روؤ۔

گناہ کی حقیقت اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی نافرمانی ہے اور ظاہر ہے کہ نافرمانی گو کسی قسم کی ہو، زیادہ ہی بڑی ہے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ بندہ اگر اس وجہ سے توبہ نہ کرے کہ میرے گناہ اسقدر ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، یہ بھی حماقت اور شیطانی جال ہے کیونکہ گو یہ صورۃً شرمندگی ہے لیکن حقیقت میں یہ کبر ہے۔ لہذا گناہوں سے واقعۃً توبہ کرتے ہوئے آنکھوں سے اشکبار ہونا حقیقی توبہ ہے جو سلوک کی جان ہے۔ حضرت والا قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ توبہ کی گھاٹی سخت ہوتی ہے، جس نے اسے پار کرلیا اس نے آدھا راستہ طے کرلیا۔ سالک جب شیخ کی رہنمائی میں اپنے عیوب ونقائص سے واقف ہوکر ان کی اصلاح کرتا ہے تو اس کی چشم بصیرت کھل جاتی ہے، اور اپنی ذات کی حقارت وپستی حقیقت بن کر ان کی نظروں کے سامنے آجاتی ہے جس سے وہ معرفت الٰہی کی دہلیز میں داخل ہونے کے لائق اور "من عرف نفسه عرف ربه" کا مصداق بننے کے قابل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ نفس کے افتقار واحتیاج اور عبدیت کے معرفت ہی اللہ تعالیٰ شانہ کی معرفت کے حصول کا زینہ ہے۔ عبدیت کے صحیح احساوشعور کے بعد اپنے کو ذرہ بے مقدار اور اپنے وجود کو لاشیٔ محض تصور کرتا ہے تو اس کی ذات خود اپنی نظروں سے گر جاتی ہے۔ حضرت والا قدس سرہ نے اس حقیقت کو اپنے شعر میں آشکارا فرمایا ہے:

کھل گئی جب سے چشم بصیرت
اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

نفس انسانی کا ایک بڑا رذیلہ کبر ہے (یعنی اپنے کو صفات کمال میں دوسرے سے اس طرح بڑھ کر سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے) یہ مضر رذیلہ معرفت الٰہی کی دہلیز تک رسائی سے بڑا مانع بنتا ہے۔ اس مانع طریق بت کا بیان حضرت والا قدس سرہ اس طرح فرماتے ہیں:

واصل حق ہو نہیں سکتا
ڈھا نہ دے تو کبر کا جب تک صنم

انسان کبر وانا کے جذبات، نخوت وتکبر کے اثرات، عہدہ ومنصب کے احساسات کو فنا کرکے جب راہ حق طے کرتا ہے تو اسے دربار الٰہی سے حضور وشہود کے لامتناہی درجات حاصل ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ نہایت وثوق واعتماد کے ساتھ حضرت اس طرح فرماتے ہیں:

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستار فضیلت گم ہو دستار محبت میں

راہ سلوک طے کرنے کے دوران سالک بہت سی گھاٹیوں سے گذرتا ہے جنہیں شیخ کامل کی رہنمائی میں عبور کرنا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ کبھی سالک ایک مرض سے نکلتا مگر دوسرے مرض میں مبتلا رہتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ امراض نفس سے مجھے چھٹکارا مل گیا۔ حالانکہ دوسرا نقص اس میں موجود ہوتا ہے۔ یا کسی اچھے حال کے پیدا ہونے پر کبھی وہ ناز میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ اپنے محبوبانہ کلام میں ان نقائص وامراض سے پردہ کشائی فرماتے ہیں۔ تاکہ سالک چوکنا رہے اور شیخ کی دستگیری اور رہبری سے اپنے کو بے نیاز نہ کرے۔

فرماتے ہیں:

کوئی بھی منزل عرفاں تک پہنچ نہ سکا
کسی کو نقص کسی کو کمال نے مارا

ایک گھاٹی ایسی بھی آتی ہے جہاں سالک حال وقال کی عمدگی اور خوبی کو منزل کمال سمجھ کر اس کی لذت میں محو ہو جاتا ہے۔ حالانکہ احوال اگر چہ محمود ہیں مگر مقصود طریق نہیں ہیں۔ حضرت والا قدس سرہ اس گھاٹی کی نشان دہی کرتے ہوئے حال وقال کی لذت کو ناقابل التفات قرار دیتے ہیں کہ اصل چیز طاعت الٰہی اور رضائے خداوندی ہے فرماتے ہیں۔

لذت بندگی کے آگے ہیچ ہے سب حال وقال کی لذت
ان کی مرضی میں تو فنا ہو اتنا ہی ہے عشق کا حاصل

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ عبادت میں بجز رضائے خدا کے اور ثمرات طلب کرنا اخلاص کے بالکل خلاف ہے۔ بعض سالکین خام کو کبھی یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ طریقت شریعت سے الگ چیز ہے وہ عشق ومحبت کا جھوٹا دم بھرنے لگتا ہے اور اپنے کو طریقت کا پیروکار کہہ کر احکام شریعت سے دامن چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت قدس سرہ اپنے کلام میں سختی کے ساتھ اسکی تردید فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

شریعت کے مخالف جو طریقت ہے وہ باطل ہے
طریقت اور حقیقت دونوں خادم ہیں شریعت کے

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اعمال ظاہرہ سے متعلق احکام کو فقہ کہتے ہیں اور اعمال باطنہ سے متعلق احکام کو تصوف کہتے ہیں اور اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں پس فقہ اور تصوف وطریقت سب کے مجموعہ کا نام شریعت ہے۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفائی پیدا ہوتی ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ اعیان واعراض سے متعلق بالخصوص اعمال حسنہ وسیئہ سے متعلق ظاہر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالی کی صفات وافعال کی حقیقتیں بالخصوص معاملات بین العبد وبین اللہ سے متعلق حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت، اور صاحب انکشاف کو محقق وعارف کہتے ہیں، پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ طریقت کو شریعت سے الگ سمجھنے کی فکر باطل ہے۔ حضرت قدس سرہ نے اپنے اشعار میں اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے، کہ طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ شریعت سے جدا یا مختلف کوئی چیز نہیں۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

بھٹک کر منزل جاناں سے دور جا پہونچے
جو جوش عشق میں جذبات کو دبا نہ سکے

جذبات پر عقل کو غالب رکھنا اور عقل وجذبات دونوں کو شریعت کے تابع کرنا یہ اصل ہے۔ لہذا سالک کا کوئی قدم جذبہ وجوش عشق میں شریعت کے خلاف نہ اٹھنا چاہئے۔ ورنہ اسکا عشق فسق اور محبت ضلالت ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت والا قدس سرہ نے درج ذیل اشعار میں اس حقیقت کو اور واضح کر دیا ہے فرماتے ہیں:

اگر آزاد ہم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے
مبارک عاشقوں کے واسطے دستور ہو جانا

یعنی حقیقی عاشقان الٰہی جو طریقت کے امام کہلائے ہیں وہ سب جامع شریعت وطریقت ہوئے تھے انکی زندگیاں پابند شریعت ہوئی ہیں۔ اسلئے آنے والوں کے واسطے ان کی زندگی دستور طریق بن گئی۔ کوئی شخص بغیر پابندی شریعت کے مومن کامل نہیں ہوسکتا، چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ

نے "لن یو من احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به" یعنی کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی خواہش وطبیعت میرے لائے ہوئے قانون شریعت کے تابع نہ ہوجائے۔

حضرت والا قدس سرہ چونکہ اپنی ذات میں دردوعشق کے پیکر سراپا محبت تھے۔ اسلئے منازل سلوک کا بیان آداب طریق کی ہدایات راستے کے نشیب وفراز اور اسکی رکاوٹیں سب محبت کی زمین میں محبت کے الفاظ وترکیب میں حتی کہ محبت ہی کے لہجہ وانداز میں بیان فرماتے ہیں۔ تصوف کا اصلی مایہ خمیر عشق حقیقی ہے۔ جو سرتا پا جذبہ وجوش ہے۔ حضرت والا کے کلام میں سلوک ومعرفت کی مئے طہور پیش کرنے کیلئے غزل کا پیمانہ استعمال ہوا ہے اور کمال یہ ہے کہ اس پیمانہ کو کہیں ٹھیس نہیں لگنے پائی۔ بات وہی ہے انداز بیان بھی وہی ہے لب ولہجہ بھی غزل کا ہے، مگر ان غزلوں کو پڑھتے ہوئے ذرا رک کر شعروں پر غور کیجئے، تو پتہ چلتا ہے کہ یہ دوسری دنیا کی بات ہے۔

اتباع شریعت کے ساتھ رذائل کے ازالہ اور فضائل کی تحصیل میں سالک مصروف رہتا ہے۔ اسکی برکت سے ذات جل مجدہ سے انس پیدا ہوتا ہے۔ پھر محبت الٰہی کی دہلیز میں قدم پڑنے سے درد الفت ملتا ہے۔ جو رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے درد دل بن جاتا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ انس ومحبت کا ذائقہ اور درد دل کی لذت سے سالکین کو درج ذیل شعر کے ذریعہ روشناس فرمارہے ہیں:

پہلے احمد مجھے درد الفت ملا
رفتہ رفتہ وہی درد دل بن گیا

حضرت والا قدس سرہ نے ایک مرتبہ تنہائی میں یہ شعر میرے سامنے پڑھا۔ ابھی پہلا مصرع پڑھا تھا کہ جلدی سے میں نے دوسرا مصرعہ دہرادیا تو حضرت نے فرمایا درد پر رک جاؤ اس طرح پڑھکر بتلایا۔

رفتہ رفتہ وہی درد، دل بن گیا

یعنی دل ہی سراپا درد ہوگیا یا دل آتش عشق میں جل کر راکھ ہوگیا جسکو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

دل ڈھونڈ نا سینے میں مرے بو العجبی ہے
یاں راکھ کا اک ڈھیر ہے اور آگ لگی ہے

اب سالک درد محبت سے آشنا ہوکر عشق الٰہی میں گرفتار ہو گیا رفتہ رفتہ اس کا مرض دائمی ہوگیا عاشقان مجازی تو آتش عشق کو سرد کرنے اور درد دل کی دوا ڈھونڈنے کی فکر میں رہتے ہیں، درد محبت کے کم نہ ہونے پر شاکی ہوتے ہیں جیسا کہ غالب نے کہا ہے:

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

یا میر نے کہا:

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے بیٹے سے دوا لیتے ہیں

مگر عاشقان پروردگار مرض عشق کے قائم وبرقرار رہنے کے متمنی بلکہ بڑھنے کی دعا کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھنے کی روز وشب دعا کی

بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے مرض عشق میں دائمی گرفتاری کو شکر کے لائق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت والا قدس سرہ اس طرح

شکر ادا کرتے ہیں۔

درد دل شکر ہے مستقل ہو گیا
اب تو شاید مرا دل بھی دل ہو گیا

سلوک کی اہم منزلیں مثلاً شریعت پر استقامت، فنائے ذات اور عبدیت وافتقار کا پیدا کرنا رنج ومحن برداشت کرتے ہوئے تسلیم وتفویض کا خوگر ہونا قضا وقدر کے فیصلوں پر رضا کا عادی بننا ان حقیقتوں سے روشناس کراتے ہوئے حضرت والا قدس سرہ عشق ومحبت کے الفاظ اور غزل کا پیرایہ بیان اختیار فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

وہ ان کا رفتہ رفتہ بندہ بے دام ہوتا ہے
محبت کے اسیروں کا یہی انجام ہوتا ہے
اسے نسیان کامل غیر سے واللہ ہوتا ہے
عجب کچھ شان دیکھی میں نے بیمار محبت میں
یہی جان محبت ہے یہی روح اطاعت ہے
ترا مختار ہونا اور مرا مجبور ہو جانا

مقام عبدیت کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں:

یہ معراج محبت ہے یہ اعجاز محبت ہے
کہ سلطان جہاں ہو کر بھی بے نام ونشاں رہنا

عبدیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے بعد ہی معراج محبت کی بلندی تک رسائی ہوتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں:

یہ فیضان محبت ہے یہ احسان محبت ہے
سراپا داستاں رہتے ہوئے بے داستاں رہنا
یہی ضبط محبت ہے یہی شرط محبت ہے
تڑپنا رات دن اور پھر بھی بے آہ وفغاں رہنا
یہ معراج محبت ہے یہ اعجاز محبت ہے
ہزاروں زخم کھا کر مسکرانا شادماں رہنا

فنائیت جو سلوک کا اعلیٰ مقام ہے جیسا کہ حاجی صاحب نے ارشام فرمایا:

میں تو نام ونشاں مٹا بیٹھا
شہرہ مرا اڑا دیا کس نے

حضرت والا قدس سرہ اس کی تعلیم دیتے ہوئے تلقین فرماتے ہیں:

مٹا دو ہاں مٹا دو اپنی ہستی تم محبت میں
یہی کہتے ہیں بسطامی غزالی اور جیلانی
سنو تم گوش دل سے حضرت احمد یہ کہتے ہیں
محبت میں فنا ہو تب غذا ملتی ہے روحانی
فنا جب تک نہ ہو اللہ ہرگز مل نہیں سکتا
غزالی ہوں کہ رازی مولوی ہوں یا کہ جیلانی

نیز فرماتے ہیں:

نہ مہکے گا تو خوشبوئے محبت سے قیامت تک
جلے گا تو نہ جب تک شوق سے نار محبت میں

طریقت وتصوف میں فنا کا جو لفظ استعمال ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ افعال ذمیمہ اور ملکات رذیلہ زائل ہو جائیں مثلاً ظاہری معاصی چھوٹ جائیں، قلب سے حب غیر اللہ، حرص، طول امل، کبر، عجب، ریا وغیرہ سب نکل جائیں اس کو فنائے واقعی کہتے ہیں، جہاں سالک تفویض وتسلیم اور رضا بالقضا کے حقیقی مقام پر پہنچتا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ تفویض وتسلیم اور رضا بالقضا کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں۔

جو ہے ہر حال میں راضی فدا ہے ان کی مرضی پر
بڑا خوش بخت ہے بخشی گئی ہے اس کو دانائی
جو ان کی مرضی پہ دونوں جہاں لٹا نہ سکے
وہ دل کو آئینۂ حق نما بنا نہ سکے

خوشی کو آگ لگا دی خوشی خوشی میں نے
خوشا نصیب کسی کا ملا غم ہے مجھے
لطف جنت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہ ہو
وہ کسی کا ہو تو ہو لیکن ترا بسمل نہیں

تفویض کہتے ہیں اپنے کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کر دینا کہ جو وہ چاہیں ان میں تصرف کریں اور اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرنا، جیسے مرض، صحت، قوت وضعف یا قبض وبسط، ہیبت وانس، محبت وشوق۔ رضا کہتے ہیں ترک الاعتراض علی القضا، یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر اعتراض نہ کرنا، نہ زبان سے نہ دل سے، جب سالک کے قلب میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت رچ بس جاتی ہے تو ایمان کامل حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میری محبت اسکے نزدیک اسکی ذات سے اور والدین واولاد کی محبت سے زیادہ اور بڑھ کر نہ ہو جائے۔

ایمان کامل اور احکام شریعت پر استقامت کے ساتھ جب محبت الٰہی سے سالک کا قلب سرشار ہو جاتا ہے تو ترقی کرتے کرتے محبت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں دنیا کی نعمتیں تو ایک طرف جنت اور اسکی نعمتوں کو بھی قربان کرنے کے لئے وہ تیار وآمادہ ہو جاتا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ ہمیں اس مقام کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

مٹا دیتا ہے جنت کی بہاریں شوق سے عاشق
مزا کچھ اس طرح پاتا ہے گلزار محبت میں

جنت کی بہاروں سے مراد مطلقا نعمتیں بھی ہیں، جبکہ لٹانے سے حقیقت مراد ہو، لیکن بعض اہل اللہ کا مقام اسقدر رفیع اور محبت میں انکا قدم اتنا راسخ رہا ہے، کہ انہوں نے محبوب حقیقی کے جلوے کے مشاہدۂ شوق میں جنت کی بہاریں بھی لٹا دی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت والا قدس سرہ کا بھی یہی مقام رہا ہو۔ سیدی ابن الفارض مصری متوفی ۶۳۲ھ جنکا ذکر مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے عرفان محبت کے مقدمہ میں اسطرح کیا ہے: عربی شاعری میں تصوف کا سارا سرمایہ سیدی ابن الفارض مصری کا عارفانہ عاشقانہ کلام ہے جو میخانہ وحدت کے سرشار اور عربی کے قادر الکلام اور شیریں زبان شاعر تھے، (عرفان محبت۔ ۴) ان کے بارے میں احقر نے پڑھا ہے کہ حضرت ابن الفارض پر نزع کے وقت اللہ تعالیٰ نے جنت کو منکشف کر دیا تو آپ نے اسی حالت نزع میں یہ شعر پڑھا:

ان کان منزلتی فی الحب عندکم
ماقد رایت فقد ضیعت ایامی

یا اللہ اگر آپکی محبت اور عشق میں تمام زندگی مصائب جھیلنے کا یہی نتیجہ اور ثمرہ ہے جو میں نے دیکھا تو میں نے اپنی ساری زندگی کو ضائع کر دیا اور کھو دیا۔ (یہ ناز محبوبیت میں کہا) میں تو آپ کو چاہتا ہوں چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے انوار کی تجلیات ہوئیں، پھر آپ کی روح قبض ہوئی۔

سالک پر دوران سلوک کبھی خوف ووہشت کا غلبہ ہوتا ہے تو امید ورجا سے اس کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ "الایمان بین الخوف والرجاء" ایمان خوف ورجاء (امید) کے درمیان کی چیز ہے نہ خوف کی زیادتی سے ناامیدی اور یاس کا شکار ہو، نہ ہی امید ورجاء پر بھروسا کر کے غفلت میں پڑے۔ کیونکہ ناامیدی کفر ہے، اور غفلت سد راہ ہے۔ چنانچہ مذکورہ ایمانی کیفیت پیدا کرنیکے لئے رجاء اور امید کی تلقین حضرت والا قدس سرہ اپنے کلام میں اس طرح فرماتے ہیں:

احمد خستہ جاں تو اتنا کیوں بے قرار ہے
وہم وگمان سے بھی سوا رحمت پروردگار ہے

میں وہ عاصی ہوں دیکھ کر جسکو
رحمت حق بھی مسکرائی ہے

رحمت پروردگار سے امید وافر رکھنے کے ساتھ خوف وخشیت کے اوصاف پیدا کرنے کی طرف بھی حضرت والا قدس سرہ متوجہ فرمارہے ہیں۔اسکے لئے اپنے قصور وگناہ کا اعتراف کرتے ہوئے رونے کی کیفیت اور حالت پیدا کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ رقت وانابت کی تلقین فرماتے ہیں:

کرم سے اپنے بخشی مجھکو توفیق انابت
یہ وہ دولت ہے جو واللہ رشک صد کرامت ہے
عمر غفلت میں ہو گئی برباد
میرے مالک تیری دہائی ہے

نیز فرماتے ہیں:

جو ہے اہل عشق کی ابتدا جو ہے اہل عشق کی انتہا
میں بتاؤں احمد بے نوا مرا اعتراف قصور ہے

نیز فرماتے ہیں:

حدیث میں آتا ہے کہ دو قطرے اللہ کو بہت محبوب ہیں ایک خون کا وہ قطرہ جو اللہ تعالی کے راستہ میں گرا ہو، دوسرے آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ تعالی کی خشیت کی وجہ سے آنکھوں سے نکلا ہو۔حضرت والا قدس سرہ ایسے آنسو کا مقام اس قدر بلند اور اسکی تاثیر اتنی گہری بیان فرمارہے ہیں کہ اس سے جہنم کی آگ کے بجھ جانے کی بات فرمارہے ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں:

تسلی ہم گنہگاروں کو ہوگئی احمد
بجھادیں گے جہنم کو یہ آنسو ہیں ندامت کے

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ رو، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو، اس لئے کہ اہل نار جہنم میں روئیں گے۔یہاں کے ان کے آنسو انکے چہروں پر اس طرح بہیں گے کہ بہتے بہتے نالیاں بن جائیں گی اور زمین پر چشمہ کی شکل میں بہنے لگیں گے، کہ اگر اس میں کشتی چلائی جائے تو کشتی چل جائے، (حدیث کا مفہوم) مگر اس کے باوجود جہنم کی آگ ٹھنڈی نہ ہوگی نہ جہنمیوں کو اس سے رہائی مل سکے گی۔اور جہنم کی آگ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ وہ دنیا کی آگ سے احراق وحرارت کی کیفیت میں ستر گنا بڑھی ہوگی۔اب آپ پھر دوبارہ حضرت والا قدس سرہ کا شعر پڑھیں اور غور کریں:

تسلی ہم گنہگاروں کو ہوگئی احمد
بجھادیں گے جہنم کو یہ آنسو ہیں ندامت کے

حضرت والا اس شعر میں اپنی خطاؤں پر رونے سے نکلنے والے آنسو کی یہ تاثیر بیان فرمارہے ہیں کہ اس سے جہنم کی آگ بھی بجھ جائے گی۔حضرت والا قدس سرہ کی اس بات کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی انسان کی آنکھ سے آنسو خواہ مکھی کے سر کے برابر کیوں نہ نکلے اگر اللہ تعالی کی خشیت کیوجہ سے نکلا ہوگا اور چہرے تک پہونچ جائے گا تو اللہ تعالی اس پر جہنم کی آگ حرام کردیں گے۔(رواہ ابن ماجہ) گویا ان آنسوؤں کی وجہ سے جہنم کی آگ اس کے حق میں بجھ جائیگی۔حضرت والا قدس سرہ نے اس حدیث کا بعینہٖ مفہوم اپنے شعر میں ادا فرمایا ہے۔مطلب یہ ہے کہ دار العمل دنیا میں افسوس وندامت سے نکلنے والے آنسو اس قدر پر تاثیر ہوتے ہیں کہ وہ جہنم کی آگ کو بجھادیں گے۔جبکہ جہنمیوں کے آنسو بے اثر ہونگے۔کیونکہ وہ آخرت میں نکل رہے ہوں گے۔جہاں افسوس وندامت اور رونیکا کوئی فائدہ ظاہر ہونے والا نہیں۔

سالک احوال ومقامات کی وادیاں طے کرتا ہوا درمیانی راہ کی گھاٹیاں عبور کرتے ہوئے جب وصول الی اللہ کی استعداد پیدا

کر لیتا ہے تو اس کے قلب کو ایک خاص تعلق جذبی مطلوب حقیقی کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے اسی نسبت کے پیدا ہونے کا نام وصول الی اللہ ہے جہاں افراط وتفریط کی بے اعتدالیاں ختم ہو جاتی ہیں، حضرت والا قدس سرہ وصول الی اللہ کی کیفیت سے پردہ کشائی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

اب نہ افراط باقی نہ تفریط ہے
عشق کامل ہوا معتدل ہو گیا

حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب دامت ظلہ اس شعر کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں اب ذرا ذہن کو دوڑایئے اور دماغ کو حاضر کیجئے، اور چشم دل کو وا کیجئے، تو سراغ لگے گا کہ حضرت والا نے اس شعر میں اپنے مقام رفیع کی طرف دلالت فرمائی ہے، وہ یہ کہ آپ الحمدللہ ماشاء اللہ، بیدائے تلوین کو طے کر کے گلستاں تمکین میں داخل ہو چکے ہیں، اس لئے کہ سالک راہ جب تک تلوین میں رہتا ہے اس وقت تک افراط وتفریط اور کبھی قبض، کبھی بسط وغیرہ کا شکار رہتا ہے جب اس عقبہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اسکے ہر قول وفعل اور حال میں اعتدال کا آجانا لابدی ہو جاتا ہے، جسکی وجہ سے دوام طاعت کثرت ذکر اور استقامت علی الدین کا مرحلہ نہایت آسان ہو جاتا ہے اور بلا ریب اس کا نفس اطمینان کی دولت سے مشرف ہو کر نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے، (فیضان محبت ۱۲۵) سالک جب اپنے عیوب وامراض ختم کر کے مجاہدہ اور ریاضت کی صعوبتیں جھیل کر راہ شریعت پر استقامت کے ساتھ گامزن رہتا ہے، اور اسے وصول الی اللہ کی دولت اور نسبت مع اللہ کا شرف حاصل ہو جاتا ہے، جسکے نتیجے میں وہ فنا فی اللہ کے مقام پر پہونچ جاتا ہے، تو اسکی سیر الی اللہ پوری مکمل ہو جاتی ہے، اس سب کے بعد سیر فی اللہ کی راہیں اسکے لئے کھل جاتی ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اس مقام کی تشریح یوں فرماتے ہیں: نفس کا امراض سے علاج ہو کر شفا ہو گئی، ذکر وشغل سے تعمیر شروع ہوئی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا، اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی، اور اعمال عبادات میں سہولت ہو گئی، نسبت وتعلق مع اللہ حاصل ہو گیا، تو سیر الی اللہ ختم ہو گئی، اسکے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے، کہ خدائے تعالی کی ذات وصفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا، تعلق سابق میں ترقی ہوئی، اسرار وحالات کا ورود ہونے لگا، یہ غیر محدود ہے یہ وہ تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے:

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا بجز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

حضرت والا فنا کے اس مقام کا تعارف کراتے ہوئے بلکہ خود اس مقام پر فائز ہو کر اس کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔

ہوا محسوس جیسے مل گئی کونین کی دولت
مقدر سے ترے پہلو میں جب میں نے جگہ پائی
میں اس پر جان ودل سب کچھ کروں قرباں نہ کیوں آخر
کرم سے جس کے درد لا دوا کی دوا پائی
سنیں یہ بات میری گوش دل سے جو میں کہتا ہوں
میں ان پر مر مٹا تب گلشن دل میں بہار آئی

نیز فرماتے ہیں:

آتش عشق نے جلا ڈالا
زندگی ہم نے مر کے پائی ہے

اس مقام پر پہنچ کر حضرت والا قدس سرہ نہایت سرور وکیف کے عالم میں اپنے مشاہدات کی عکاسی اس طرح کرتے ہیں:

ہر وقت ہی رہتا ہے مدارات کا عالم
کیا پوچھتے ہو انکی عنایات کا عالم

اس مقام پر پہنچ کر کسی کو استغراق محض ہو جاتا ہے، کسی پر سکر غالب ہوتا ہے، کوئی مجذوب محض ہو جاتا ہے، کسی کو پھر بعض احوال کی تکمیل کے لئے یا دوسروں کی تکمیل کے لئے علم بالاشیاء کی طرف عود کرایا جاتا ہے، اس حالت کو بقایا بعض لوگوں کی اصطلاح میں فناء الفنا کہتے ہیں، یعنی وہ بیخودی جو فنا کہلاتی تھی جاتی رہی اس لئے فناء الفنا کہلاتی ہے۔ حضرت والا قدس سرہ بقا اور فناء الفنا کی حالت کا بیان اس طرح فرماتے ہیں:

اب رفتہ رفتہ ہوش میں کچھ آرہے ہیں ہم
محفل سے ان کی روتے ہوئے جا رہے ہیں ہم
جب آرہے تھے دل کا عالم ہی اور تھا
عالم ہی دل کا اور ہے جب جا رہے ہیں ہم
کل تک بہار خلد کی لذت سے مست تھے
اب تو شب فراق کا غم کھا رہے ہیں ہم
ہر چیز کو نگاہ محبت سے دیکھ کر
طوفان بحر عشق میں اب لا رہے ہیں ہم
یہ راز وہ ہے جس کو سمجھتے ہیں اہل عشق
کچھ کھو رہے ہیں شوق سے کچھ پا رہے ہیں ہم
احمد تجھے نہ جانا نہ سمجھا تمام عمر
گو ساتھ جا رہے ہیں ترے آرہے ہیں ہم

اب دوسروں کی تکمیل و اصلاح کی خدمت منجانب اللہ اسے سپرد ہوتی ہے اور جلوت میں خلوت سے لطف آشنا کرایا جاتا ہے، چنانچہ اس وقت غیب سے اسے حکم گویائی ہوتا ہے اور اس کی زبان ناطق بالحق ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں:

اندر خود بینی علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

حضرت والا قدس سرہ اس عطائے خاص کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔

کوئی اہل محبت سے تو پوچھے
عجب شئے ہے صدائے لن ترانی
کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے
مجھے خود کردیا روح المعانی

فرماتے ہیں:

ملتی ہے اہل محبت کو زبان زندگی
اور کوئی کر نہیں سکتا بیان زندگی
ہو گئے پیدا جہاں میں طالبان زندگی
تم نے جب دنیا میں دی آکر اذان زندگی
عجب عالم ہوا اللہ اکبر اہل محفل کا
حدیث عشق کی احمد نے جب بھی شرح فرمائی

مزید فرماتے ہیں:

قیامت ہے ترے عاشق کا مجبور بیاں رہنا
زباں رکھتے ہوئے بھی اللہ اللہ بے زباں رہنا

جلوت میں خلوت کے اہتمام کی طرف اس طرح اشارہ فرماتے ہیں۔

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آجائے
حریم دل کا احمد اپنے ہر دم پاسباں رہنا

اس مقام کا شکر ادا کرنے کے ساتھ سالکین کو بھی فنا فی اللہ ہونے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

مر کے ہوتی ہے زندگی حاصل
ایسے مرنے کی تم دعا کرنا

حضرت والا قدس سرہ کے اس شعر پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں:

درد و غم کی داستاں ہے یہ نہیں شعر و سخن
تو تڑپ اٹھتا لگی ہوتی اگر دل میں لگن

مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ

اور

ان کی عارفانہ شاعری

ڈاکٹر تابش مہدی دہلی

شیخ المشائخ، عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ (1899-1991) کی شخصیت ہند و پاک کے مذہبی و روحانی حلقوں کے لئے جانی پہچانی شخصیت رہی ہے۔ وہ بیسویں صدی عیسوی کے ان اعاظم رجال میں تھے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی ملت اسلامیہ کی دینی وفکری رہ نمائی اور روحانی تعلیم وتربیت کے لیے وقف کردی تھی۔

وہ اپنی محبت وشفقت، سادگی وخاکساری، ہم عصروں کی انتہائی تعظیم وتکریم، خردوں کی عزت افزائی، دنیا سے بے رغبتی اور قناعت پسندی کے لیے ہر طبقے میں معروف ومعلوم تھے۔ معاشرے کی اخلاقی، مذہبی خرابیوں پر فکرمندی اور حکمت وتدبر کے ساتھ ان کی اصلاح کی سعی وکاوش ان کی شناخت بن چکی تھی۔ ،اختلافی ونزاعی مسائل سے حتی الامکان پرہیز ان کا خاص مزاج تھا۔ ان کی پوری زندگی مومنانہ ومصلحانہ اخلاق وکردار اور قول وعمل کی یکسانی ویک رنگی سے عبارت تھی، ماضی کے بزرگوں اور سلف صالحین کی زندگیوں کے سلسلے میں کبھی جو کچھ پڑھا یا سنا گیا ہے، اسے ان کی چلتی پھرتی زندگی میں بہ آسانی دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا تھا۔ میں اس لحاظ سے خود کو نہایت خوش نصیب خیال کرتا ہوں کہ اپنی زندگی کے بالکل ابتدائی حصے میں میں بھی ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگیا تھا۔

میں نے ۱۹۶۵م میں عصری تعلیم کا سلسلہ ترک کرکے دینی تعلیم کا عزم بالجزم کرلیا کچھ دنوں پرتاب گڑھ شہر میں پڑھا پھر تجوید وقراءت کے سلسلے میں مدرسہ سبحانیہ کی خصوصی شہرت کی وجہ سے الہ آباد چلا گیا۔ چوں کہ گھر میں حضرت نانا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ سنتا آرہا تھا، اس لیے الہ آباد میں داخلے کے بعد سب سے پہلے حضرت مصلح الامتؒ کے بارے میں ہی دریافت کیا اور وہاں کی صبح کی مجلس میں پابندی کے ساتھ شرکت کرنے لگا۔ میں نے دوسال تک مدرسہ سبحانیہ میں پڑھا، مجھے نہیں یاد ہے کہ کسی دن غیر حاضری ہوئی ہو، جس دن معلوم ہوتا تھا کہ آج کسی وجہ سے مجلس نہیں منعقد ہوگی محرومی کے شدید احساس کے ساتھ واپس ہوتا تھا۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اپنی کم عمری اور بے علمی کی وجہ سے میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے اسرار ورموز کو سمجھ سکوں۔ بس ایک فطری عقیدت تھی، جو مجھے وہاں کھینچ کر لے جاتی تھی۔ جس وقت حضرت مصلح الامتؒ معاشرے کے بگاڑ پر گفتگو فرماتے تھے، فرط اضطراب میں دونوں کانوں، کبھی دونوں ہتھیلیوں کو مسلتے تھے یا سامنے بیٹھے ہوئے کسی شخص کے سر کو پکڑ کر جھنجھوڑتے تھے، دیکھکر میری کچھ عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ حضرت پرتاب گڑھی کو بھی میں نے اس مجلس میں متعدد بار دیکھا تھا۔ پھر میں وہاں سے آگیا، لیکن قلبی تعلق ووابستگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ۱۹۶۷ کے اواخر میں اچانک کسی اخبار کے ذریعے سے پتہ چلا کہ حضرت مصلح الامتؒ اس دنیا سے رخصت

ہوگئے۔ میں سخت متاسف ہوا کہ حضرت کی زندگی میں کیوں نہ شرف بیعت حاصل کرلیا۔ ارادہ تو کئی بار کیا تھا، لیکن اظہار مدعا کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ حضرت مولانا پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کو متعدد بار حضرتؒ کی مجلس میں دیکھ چکا تھا اور میرے بعض اساتذہ بھی ان سے وابستگی رکھتے تھے، اس لیے میں بھی ان سے تعلق قائم کرنے کے لیے بے چین ہوگیا۔ چند ملاقاتوں کے بعد بیعت وارادت کی خواہش ظاہر کی اور حضرت نے شرف قبول سے سرفراز کیا۔ لیکن افسوس کہ اپنی بعض خامیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے میں بیعت وارادت کے آداب اور تقاضوں کو پورا نہ کر سکا۔ اس کا قلق مجھے ہمیشہ رہے گا۔

حضرت مولانا پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۹ء میں اپنے آبائی وطن پھول پور ضلع پرتاب گڑھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، جو شہر پرتاب گڑھ سے تقریباً اکیس (۲۱) کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم حضرت شاہ غلام محمد مرحوم کی نگرانی میں حاصل کی، چونکہ محترم غلام محمد صاحبؒ اویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے شرف بیعت رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے کو ابتدائی تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے کے بعد اپنے پیر بھائی حضرت مولانا شاہ سید بدر علی رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردیا۔ حضرت شاہ بدر علی رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنج مراد آبادیؒ کے ارشد تلامذہ وخلفا میں تھے، دس گیارہ سال جامعہ ازہر قاہرہ، مصر میں بھی رہے وہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مستقل طور پر اپنے وطن میں قیام پزیر رہے اور خاموشی کے ساتھ ملت اسلامیہ کی مذہبی وروحانی رہ نمائی فرماتے رہے۔ حضرت پرتاب گڑھی نے اپنے فاضل استاذ سے بھر پور استفادہ کیا۔ شب وروز خدمت میں لگے رہے۔ وہیں سے خلافت واجازت حدیث سے بھی سرفراز ہوئے۔ کافی عرصے تک مجدد العصر، سید ملت حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے اور ان سے بھی بھرپور علمی وروحانی تربیت حاصل کی۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ علمی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی خصوصیات کے ساتھ شعر گوئی کی بھی دولت سے سرفروز فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں یہ تو نہیں معلوم کہ وہ کس سے شرف تلمذ رکھتے تھے، یا کس سے متاثر ہوکر انہوں نے اس وادی میں قدم رکھا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اپنی اس صلاحیت کو بھی مکمل طور پر ملت اسلامیہ کی اصلاح اور اس کی دینی وروحانی رہنمائی کے لیے وقف کردیا تھا۔

حضرت مولانا کے معاصرین میں ایک عالم دین حضرت مولانا منیر احمد یغمائیؒ تھے۔ مولانا یغمائی دارالعلوم دیوبند کے جید فضلا میں تھے۔ مجدد عصر سید ملت مولانا سید محمد امین نصیر آبادیؒ سے انہیں خصوصی نسبت تھی۔ انھی کے مدرسے سے انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہیں سے حفظ قرآن مجید بھی کیا تھا۔ حضرت سید نصیر آبادیؒ کی وفات کے بعد انہوں نے پرتاب گڑھ کو ہی اپنا مسکن بنالیا تھا۔ وہیں سے ضلع کے دور دراز مقامات کے دورے فرماتے تھے اور اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں پروگرام اور منصوبے بناتے تھے۔ وہیں سے انہوں نے 'الفلاح' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا تھا۔ حضرت مولانا محمد احمدؒ، حضرت نجم احسن نگرامی اور مولانا قاری عبدالحفیظ صاحبؒ کے اسمائے گرامی اس کی مجلس مشاورت میں شامل تھے۔ انہیں شعر گوئی سے بھی نہ صرف دل چسپی تھی بلکہ اپنی تقاریر اور مواعظ کے دوران میں اپنے خاص انداز میں اپنے اشعار پڑھا کرتے تھے۔

''نفیر ہدایت'' کے نام سے ان کی اصلاحی تبلیغی اور دعوتی نظموں کا مجموعہ بھی ۱۹۷۰ میں شائع ہوا تھا۔اس زمانے میں اسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔مختصر سی مدت میں اس کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آگئے تھے،ساٹھ کی دہائی میں پرتاب گڑھ میں ایک دینی وتبلیغی جلسہ منعقد ہوا،اس میں مولانا پغمانی بھی مدعو تھے اور حضرت مولانا پرتاب گڑھی بھی۔پہلی تقریر مولانا پغمانی صاحب نے فرمائی اور ان کے بعد حضرت مولانا پرتاب گڑھی کو اسٹیج پر آنا تھا۔مولانا پغمانی نے اپنی تقریر کے دوران میں ملت کی خرابیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے خاص ترنم میں اپنی ایک نظم پیش فرمائی نظم بہت پسند کی گئی۔حضرت مولانا طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے تھوڑے فاصلے پر آرام فرما رہے تھے اور مولانا کے ہر شعر پر سبحان اللہ اور ماشاء اللہ فرماتے رہے۔جب مولانا منیر احمد پغمانی اپنی تقریر ختم کر چکے تو حضرت مولانا پرتاب گڑھی اسٹیج پر تشریف لائے اور خطبۂ مسنونہ کے بعد زبانی کئی اشعار مولانا پغمانی کے اشعار کی تحسین میں پیش فرمائے۔ان میں دو اشعار یہ بھی تھے:

سنائے اپنے جب اشعار مولانا نے دعوت کے
دلوں پر وجد طاری ہو گیا ،اہل محبت کے
جزاک اللہ، جزاک اللہ، جزاک اللہ، جزاک اللہ
کہ قلعے ڈھا دیے ہیں اللہ اکبر شرک وبدعت کے

یہ چھوٹا سا واقعہ حضرت مولانا کی قدرت کلام اور برجستہ گوئی کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔اس لیے کہ جو لوگ شعر گوئی سے تعلق رکھتے ہیں انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی جلسے یا شعری وادبی محفل میں بیٹھ کر تقریر واشعار خوانی کے دوران میں اشعار کہنا اور پھر انہیں قلم وکاغذ کی مدد کے بغیر پڑھ کر سنا دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اسی طرح حضرت مولاناؒ کے ان اشعار سے بھی ان کی قدرت کلام اور برجستہ گوئی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، جو انہوں نے اساتذہ کے مشہور اور زبان زد اشعار میں تصرف کر کے اپنے انداز سے پیش فرمائے ہیں۔مثلاً کسی کا بہت مشہور شعر ہے:

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اس شعر کے لفظ عشق کو حضرت مولانا نے عارفانہ رنگ دے کر شعر کو یوں کر دیا ہے:

عشق نے احمدؐ مجتبیٰ کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

آپ دیکھیں گے معمولی تصرف سے شعر زمین سے آسمان پر پہنچ گیا ہے۔

بہت زباں زد شعر ہے:

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا ،جوں جوں دوا کی

اسے بھی حضرت مولانا نے معمولی تبدیلی کے بعد اپنے رنگ میں ڈھال لیا ہے۔فرماتے ہیں:

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھنے کی روز وشب دعا کی

جگر کا شعر ہے:

گلشن پرست ہوں ،مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں

حضرت مولانا نے اس کو یوں کر دیا

گلشن سے عشق ہے مجھے، گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں کو دل سے پیار کیے جا رہا ہوں میں

شاعر نے پہلے مصرعے میں پرستش گلشن کی بات کی ہے اور دوسرے مصرعے میں کانٹوں کے ساتھ نباہ کرنے کی۔جب کہ

حضرت مولانا کے یہاں گلشن سے عشق اور محبت کی بات ہے۔ اس لیے کہ پرستش تو صرف اللہ کی ہی ہوسکتی ہے۔اس طرح سے دوسرے مصرعے میں نباہ، کے مقابلے میں پیار کی بات۔اس لیے کہ نباہ میں جبر یا کراہت کا پہلو ہے۔حضرت مولانا نے کانٹوں سے بھی پیار، کرنے کی بات کر کے شعر کو بلند تر کر دیا ہے۔

یہاں میں نے اپنی یادداشت سے صرف تین مثالیں نقل کر دی ہیں۔حضرت مولانا کے شعری ذخیرے میں اس قسم کی درجنوں مثالیں موجود ہیں۔ان سے ان کی قدرت کلام کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور حقیقی شعرفہمی کا بھی اور تخلیقی شعور کی بلندی کا بھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر شعرا اور سخن وروں کی کوئی عام سی فہرست مرتب کی جائے گی تو اس میں حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی کا بھی نام شامل رہے گا۔اس لیے کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے، اسے بادی النظر میں شاعری ہی کہا جائے گا وہی ردیف وقوافی اور بحور واوزان کی پابندی ان کے ہاں بھی ہے، جو دوسرے شاعروں یا سخن وروں کے ہاں ہوتی ہے۔لیکن میرے نزدیک یہ عمل عدل وانصاف کے بھی منافی ہوگا اور تنقید و تجزیہ نگاری کے اعلیٰ شعور کے بھی۔ان کی شاعری کی تعیین قدر کے لیے، میر و مصحفی یا مومن و غالب نہیں بلکہ رومی اور جامی، حافظ اور سعدی تک رسائی حاصل کرنی ہوگی۔ان کی شاعری محض ردیف وقوافی یا بحور واوزان سے نہیں عبارت ہے۔اس میں محبت الٰہی ،عقیدت رسولؐ اور ذہنی وفکری تربیت اور روحانی رشد وہدایت کا ایک ایسا سمندر موج زن ہے، جس کی سطح آج کے شعرا اور سخن وروں کی سوچ سے اتنی بلند ہے کہ وہاں تک ان کی رسائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔مولانا کا ایک ایک شعر اپنے اندر ایک جہان معنی رکھتا ہے۔

بخشا کسی کو قرب حضوری
اور کسی کو لذت دوری
قرب کی لذت لوٹنے والو
جان محبت ، ہے غم دوری
ان کی مرضی پیش نظر ہے
کیسی قربت،کیسی دوری
ہوتی نہ یوں تکمیل محبت
اپنی تمنا ہوتی جو پوری
ہر جلوہ پردہ ہے احمد
قربت ہے اور پھر بھی ہے دوری

یہ ایک غزل کے پانچ اشعار ہیں۔مطلع میں محبوب سے قرب اور دوری دونوں کو باعث لذت وتوقیر بتایا گیا ہے؛تو دوسرے شعر میں محبوب سے دوری کے غم کو محبت کی جان قرار دیا گیا ہے، تیسرے شعر میں بتایا گیا ہے کہ صرف محبوب کی مرضی اور خوش نودی پیش نظر رہنی چاہیے، قربت و دوری کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔اگر محبوب قریب رکھنا چاہتا ہے تو یہ بات اعزاز کی ہے اور اگر محبوب کی مرضی وخوش نودی دوری میں ہے تو اسی میں محب کی توقیر ہے، چوتھے شعر میں عدم تکمیل تمنا کو تکمیل محبت کی سند قرار دیا گیا ہے اور پانچویں یا آخری شعر میں جلوۂ محبوب کو حجاب بتایا گیا ہے۔یہی وہ چیز ہے، جسے ہم جان تغزل کہتے ہیں۔ یہ تغزل ہمارے ان شعرا کے ہاں مفقود ہے، جنھیں ہم خالص غزل یا تغزل کے شاعر کی حیثیت سے جانتے اور مانتے ہیں۔ میری بات کی مزید وضاحت کے لیے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

تو سمجھتا اسے کیوں حضوری نہیں
جب کہ دوری میں احساس دوری نہیں

ہوگی مجھ کو اس طرح دید حبیب
اب حضوری میں ہوش حضوری نہیں
میری دوری پسند ان کو ہے دوستو!
اب تو دوری سے بڑھ کر حضوری نہیں

آپ دیکھیں گے کہ ان اشعار میں قرب محبوب کے ذائقے بھی ہیں اور بعد ودوری کی لذت بھی اور محبوب کی مرضی وخوشنودی پر راضی بہ رضا رہنے کا احساس وادراک بھی اور ان سب کے ساتھ ساتھ شاعری کی تمام فنی ولسانی قدروں کی پاسداری بھی۔غرض کے اسی طرح کے اشعار سے حضرت مولانا کا پورا گلستان سخن مہک رہا ہے۔حضرت مولانا کے کلام کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مشکل اور ادق الفاظ شاذ ونادر ہی ملتے ہیں، سادگی، صفائی، روانی، بے تکلفی اور شگفتگی کے مظاہر قدم قدم پر دیکھنے کو ملتے ہیں۔انکی یہ خوبی بالعموم سہل ممتنع کا رنگ اختیار کرلیتی ہے۔

کبھی خوشی، کبھی رنج وملال نے مارا
کبھی یقین، کبھی احتمال نے مارا
کبھی جمال بہ رنگ جلال نے مارا
کبھی جلال بہ رنگ جمال نے مارا
بچا نہ کوئی ترے حسن فتنہ پرور سے
کسی کو ہجر، کسی کو وصال نے مارا
میں تو اس قابل نہ تھا، لیکن جنوں کے فیض سے
کھول دی ہے میں نے بھی احمدؔ دکان زندگی
لطف جنت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہ ہو
وہ کسی کا ہو تو ہو، لیکن ترا بسمل نہیں
بھٹک کے منزل جاناں سے دور جا پہونچے
جو جوش عشق میں جذبات کو دبا نہ سکے

حضرت مولانا کے یہ اشعار پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر بہ آسانی پہونچا جاسکتا ہے کہ وہ غزل کی تعریف وتاریخ کے عالم اور اسکے لہجہ واسلوب کے اداشناش ہیں، غزل کی پوری روایت پر انکی گہری نگاہ ہے۔ان چیزوں نے ان کو ایک ایسی منفرد نغمگی، شیرینی، دلکشی، رعنائی اور سلاست وحلاوت عطا کردی ہے جو اور کہیں مشکل ہی سے مل سکے گی۔اولوالعزمی، بلند طبعی اور شرافت وعظمت کی تجلیاں ان کے کلام میں قدم قدم پر دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بہ قول حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ''ان کا پورا کلام روحانی بلندی اور عالی حوصلگی سے عبارت ہے''۔

مولانا کا ایک شعر ہے:

تیرے کرم خاص پہ سوجان سے قربان
میں اس سے ہوں ممتاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

جن لوگوں کو حضرت مولانا کا قرب حاصل رہا ہے اور جنہوں نے انہیں سفر وحضر میں دیکھا ہے، وہ اس بات کی گواہی دینگے کہ ان کی پوری زندگی اس شعر کی تصویر تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھی کی پوری شاعری رشد وہدایت کا مجموعہ ہے۔اس کے ایک ایک شعر میں مہر ووفا کی داستان پوشیدہ ہے۔ان کے ہاں قرب الٰہی اور محبت رسولؐ کی ایسی کیفیت ملتی ہے کہ من وتو اور دوری وحضوری کا فرق وامتیاز ختم سا ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔بہ جا طور پر ہم ان کے پورے شعری ذخیرے کو علم ومعرفت کا خزینہ، اصلاح وتربیت کا گنجینہ اور دانش وحکمت کا دفینہ کہہ سکتے ہیں۔حضرت خواجۂ مجذوب کا یہ شعر ان کی شاعری پر کامل طور پر صادق آتا ہے:

یہ حقائق، یہ معانی، یہ روانی، یہ اثر
شاعری تیری ہے یا مجذوبؔ یہ الہام ہے

ایمان افروز شاعری

مولانا محمد اشتیاق قاسمی مرکزی دارالعلوم دہلی

کائنات کی تاریخ دلچسپ ہے اور خطرناک بھی !انسانوں کی داستان اس سے بھی زیادہ عجیب ہے ،خود یہ حیوان جتنا عجیب ہے اتنے ہی اسکے کارنامے بھی محیر العقول ہیں ۔تعمیر کی کہانی ہو یا تخریب کی داستان، سب میں انوکھے کردار کا تجزیہ اسی حیوان ذی ہوش کی ذہانت پر ختم ہوجاتا ہے۔

تعمیر کی کہانی چلتی ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کا بارعب تنفس یاد آجاتا ہے اور پھر وہ ختم بھی نہیں ہوتا ،کیونکہ وہ چلا آرہا ہے ،ایک زنجیر کے ساتھ جڑی ہوئی کڑیوں میں کئی نام ہیں ،کئی چہرے ہیں ، سب کی اپنی حیثیت ہے ،جسکا جو وجود ہے اسی کے مطابق اسکی شناخت بھی ہے۔انہی باشناخت چہروں میں ایک شناخت اس ذی وقار ولد نرینہ کی بھی ہے جس نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ جیسے عریف خدا کی بے پناہ دعاؤں کے بعد کائنات کے رنگ ورونق اور سوندھی مٹی کا احساس پایا تھا اور بشارت کے مطابق جسکا نام محمد احمد رکھا گیا تھا۔

یہ بات سچ ہے کہ اولیاء کرام کا تذکرہ نہ انکے کارناموں سے مکمل ہوتا ہے اور نہ کرامات سے ؛البتہ فکری ،عملی اور دعوتی جدوجہد، ایمانی حرارت کی تابانی ودرخشانی ،مہیب سناٹوں میں روشنی کے احساس اور آہ وفغاں میں صبر اسمٰعیل کے مظاہرہ کا کامل نام ہی انکی شناخت بن جاتا ہے؛ جو انکا تذکرہ بھی ہوتا ہے اور داستان بھی۔

۱۹ویں صدی میں جب مسلمانوں پر سیاسی ادبار کا دور شروع ہوا تو اسی دور میں امت مسلمہ کی فکری اور ایمانی نکبت کا آغاز بھی ہوگیا۔ امت کا عام طبقہ اسلام اور ایمان کی مضبوط گرفت سے عملاً باہر نکلا جا رہا تھا، بڑے بڑے اہل علم ،اصحاب دل اور صاحب کشف اولیاء کیلئے یہ صورتحال باعث قلق تھی ،بایں بناء محنت شروع ہوگئی اور اس محنت کو نکھارنے والے قافلہ میں عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ کا تذکرہ بھی روشن لفظوں میں لکھا جاتا ہے اور انشاءاللہ لکھا جاتا رہے گا۔

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں ۔چنانچہ وہ جہاں قرآنی علوم ومعارف کے گنجینوں کی خوشہ چینی کرنے والے مفسر تھے وہیں جرأت وبسالت کی بے نظیر مثال تھے اور ایک با اخلاق اور بے باک مجاہد وغازی بھی تھے۔

الغرض متعدد علمی ،عملی ،فنی اور روحانی خوبیاں انکی ذات عالیہ کا لاحقہ تھیں ،ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ شاعری اور نظم گوئی بھی انکا وہ وصف خاص تھا جو انہیں دوسروں سے ممتاز اور منفرد بنا دیتا ہے۔

اہل اللہ کی عشق حقیقی سے مناسبت اور اللہ رب العزت سے بے پناہ محبت؛ وفور عشق کی دلیل ہوا کرتی ہے، یہ حضرات اپنی سادہ پوشی اور ارادت وسعادت میں آئینۂ انسانیت بن کر نمودار ہوا کرتے ہیں ۔ ظاہر وباطنی سنتوں پر عمل اور اسکی مکمل اتباع خود انکی ذات کی تائید ہوا کرتی ہے۔اسی احساس کا کامل آئینہ عارف اللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ کی ذات گرامی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اس سالک راہ خدا کی زبان سے جب یہ نغمہ گونجتا تو وہ خود اپنے آپ میں مکمل ہوجاتا تھا:

بے کیفی میں بھی میں نے تو ایک کیف مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے جاتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

اور دلچسپ بات تو یہ ہے کہ ان جیسے عشاق سالکین کا تعارف خود انکے اپنے کلام سے یوں ہو رہا ہے:

بتاؤں آپ سے کیا عاشقوں کا کام ہوتا ہے
دل انکی یاد میں اور لب پہ انکا نام ہوتا ہے

حضرت والا درحقیقت وہ ولی کامل تھے جنکا سلیقہ اظہار محبت کی تکبیر بلالی تھی اور جنکا ہر نطق نشان حسانؓ تھا۔ وہ اپنے اسلاف کی طرح اللہ تعالی سے نسبت کاملہ اور معیت دائمہ کے متمنی تھے اور مستقل اسی خواہش میں مست وسرشار رہتے تھے۔ اسی مستی نے ان میں تکلیف دہ اشکوں کو پی لینے کا ہنر پیدا کر دیا تھا:

اب کہیں پہنچے نہ تجھ سے ان کو غم
میرے اشک ندامت اب تو تھم
رکھ رہا ہوں ضبط کے باہر قدم
عشق ناداں کا نہ کھل جائے بھرم

فنافی اللہ کی ترجمانی کرتے وقت کچھ اس طرح کے جذبات صفحہ زبان پر پھیلا کرتے تھے:

فنا جب تک نہ ہو اللہ ہرگز مل نہیں سکتا
غزالی ہوں کہ رازی، مولوی ہوں یا کہ جیلانی

دوسرا شعر بھی ملاحظہ کریں:

مقدر سے جسے حاصل فنائے تام ہو جائے
حقیقت میں وہی تو قابل انعام ہوجائے

ایک اور شعر سماعت فرمائیں جو حضرت کی زندگی سے پورے طور پر ہم آہنگ ہے:

چھوڑو مجھے بے خود، میرا آرام یہی ہے
بے نام ونشاں رہنے دو اب نام یہی ہے

حضرت اقدسؒ چونکہ مکمل عشق الٰہی میں شرابور تھے بایں بناء مجلس خاص ہو یا عام؛ ہر جگہ اسی تپش الفت کا اظہار کرتے رہتے تھے، انکے مطابق اگر دل میں صدق، محبت میں سوز اور شوق میں مستی نہ ہو تو عشق الٰہی تک رسائی ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہمہ وقت اس دعا میں مصروف نظر آتے ہیں:

دل کو نصیب ہو گداز، جاں کو عطا ہو سوز وساز
ہے یہ دعا بصد ادب، درگہ بے نیاز میں

میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزمان الٰہ آبادی دامت برکاتہم کے ارشاد کے مطابق، ان کا موضوع سخن ہی عشق والفت تھا اور ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ سارے متوسلین بلکہ جملہ مسلمین کے دلوں میں صدق طلب، سوز ومحبت اور سرمستی عشق پیدا ہو جائے مگر جب لوگوں کی طلب میں صداقت نہیں پاتے اور انکی عام بے اعتنائی، سہل پسندی اور نمود ونمائش کی ہوس خام کو دیکھتے تو بے حد دردمند ہو جاتے تھے اور اس درد وکرب میں کبھی حرف شکایت یا درد مندی اشعار کے قالب میں ڈھل کر سامنے آجایا کرتے تھے، ملاحظہ فرمائیں:

سناؤں داستان عشق میں کس کو یہاں ساقی
نظر آتا نہیں جب، ہائے کوئی رازداں ساقی
دلوں میں اب نہیں باقی رہا سوز نہاں ساقی
مئے توحید کے طالب نہیں پیر وجواں ساقی
میں ڈرتا ہوں نہ مٹ جائے سلف کی داستاں ساقی
مٹا سکتا ہے کب کوئی میرا نام ونشاں ساقی

درحقیقت شیخ کی شاعری ایک اسلامی شاعری تھی، یہ شاعری واردات اور تعلق مع اللہ کی کیفیات سے مخمور ہو کر کہی گئی تھی، اسی وجہ سے انکی شاعری میں تصوف، تاریخ اور واقعات اسلامی کی تمثیلات عام طور پر نظر آتی ہیں، دراصل انکی شاعری میں جہاں عرفان وآگہی کے لطیف جذبات اور عشق حقیقی کے احساسات موجزن تھے، وہیں پند وموعظت اور نصیحت کے دھارے بھی روانی سے بہتے تھے۔ الغرض انکی شاعری میں جو روحانیت اور وجدانیت ہے وہ تڑپ اور درد دل کا شعر وسخن ہے۔

عرفانِ محبت

نیاز احمد ندوی بستوی

اسلامی شاعری کی خصوصیت وامتیاز عشق وسوز، درد ومحبت پیغام توحید وسنت، انکسار وتواضع، فنائیت وانکار ذات، تعلق مع اللہ، بندوں کے دلوں کو اللہ سے جوڑنا، اللہ کی طرف بلانا اور اخلاق حسنہ کی دعوت وتبلیغ ہے اور اس میں اگر شعری دواوین کا جائزہ لیا جائے تو اردو شعر وادب میں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے بعد جو شخصیت سراپا عشق ومحبت اور جس کا کلام پورا کا پورا معرفت ومحبت کا جامہ پہنے نظر آئے گا وہ شخصیت ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور ان کا کلام وہ ہے جس میں معرفت ومحبت، سوز عشق، پیغام توحید ووسنت اور فنائیت وتعلق مع اللہ کے ساتھ کوئی اور شعری صنف نظر نہیں آئے گی۔ بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ: ''اسکو جہاں سے دیکھئے اور جدھر سے کھولیے یہ ''عرفانِ محبت'' ہی نظر آتا ہے''۔ (از مقدمہ کتاب)

مفکر اسلام مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے مزید اسکی خصوصیت وامتیاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے بعد جو سند ان عشق اور جام شریعت دونوں کے جامع نظر آئے حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری ہیں۔ ان کی تعلیم وتربیت ان کا ماحول ان کے معمولات زندگی کسی چیز سے بھی کسی اجنبی کو اندازہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ نے ان کو عشق ومحبت کی یہ کیفیت اور اس کے ساتھ طبیعت کی موزونیت عطا فرمائی ہے کہ ان کا کلام عشق ومستی سے بھرپور اور معرفت ومحبت کا ''شراب طہور'' نظر آتا ہے۔ ان کے کلام میں عشق ومحبت کا مضمون اور گرمی وسرمستی اتنی نظر آتی ہے کہ ان کے دیوان کا نام صحیح معنی میں ''عرفانِ محبت'' ہی ہوسکتا تھا اور جس نے یہ نام تجویز کیا اس نے اپنے حسن مذاق کا ثبوت دیا (از مقدمہ کتاب عرفانِ محبت) چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

قیامت ہے ترا نزدیک رہ کر دور ہو جانا
نظر کے سامنے رہتے ہوئے مستور ہو جانا
کوئی انکار کرسکتا ہے یہ تو اک حقیقت ہے
ترے آتے ہی محفل کا مری پر نور ہو جانا
ترا اٹھ کر چلا جانا قیامت ہے قیامت ہے
غضب ہے روز روشن کا شب دیجور ہو جانا
ارے ناداں نہ سمجھے گا یہ اسرار محبت ہیں
کبھی رنجور ہو جانا کبھی مسرور ہو جانا
بجز اس کے کہوں کیا تیری نظروں کی کرامت ہے
کسی کا مئے نہ پینا اور پھر مخمور ہو جانا
تعلق سے غنی کے ہو گیا غیروں سے مستغنی
پسند آئے نہ کیوں ان کو مرا مغرور ہو جانا
یہ اکرام محبت ہے یہ انعام محبت ہے
کہ اس کے فضل سے ذاکر کا بھی مذکور ہو جانا
یہی جان محبت ہے یہی روح اطاعت ہے
ترا مختار ہو نا مرا مجبور ہو جانا
ہو دریائے کرم جب جوش پر میدان محشر میں
تو کیا مشکل ہے اک عاصی کا بھی مغفور ہو جانا
وہ مالک ہیں جسے چاہیں نوازیں اپنی رحمت سے
نہیں دیکھا ہے کیا ذو النار کا ذو النور ہو جانا
جو ہیں اہل محبت بس وہی اسکو سمجھتے ہیں
کسی کا دیکھ لینا درد کا کافور ہوجانا

اگر آزاد ہم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے
مبارک عاشقوں کو واسطے دستور ہو جانا
یہ وہ دولت ہے جس پر جنت الفردوس قرباں ہو
کسی کی یاد میں احمد سراپا نور ہو جانا

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

کہتے ہیں لئیق آپ کہ میں عرش بریں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں خاک نشیں ہوں
ہرگز نہ کہوں گا کہ میں فردوس بریں ہوں
اک بندۂ ناچیز ہوں اور گرد زمیں ہوں
کیا بات ہے کیوں دین کا پابند نہیں ہوں
کیا واقعی اللہ پہ رکھتا میں یقیں ہوں
اسلاف سے نسبت نہیں کچھ بھی مجھے واللہ
وہ اور کہیں رہتے تھے میں اور کہیں ہوں
کیا دین کے اسرار میں سمجھوں گا غلط ہے
رکھتا جو نہیں علم یقیں حق یقیں ہوں
کیا جانوں میں کیا چیز ہے ایمان کی لذت
جب خنجر تسلیم سے گھائل میں نہیں ہوں
کیوں انتم الاعلون کے وعدے سے ہوں محروم
افسوس کہ ایمان میں کامل میں نہیں ہوں
اغیار سے کیوں روشنی کرتے ہیں طلب ہم
قرآن یہ کہتا ہے کہ میں نور مبیں ہوں
مولیٰ تری رحمت سے میں جنت کا ہوں طالب
سچ تو یہ ہے دوزخ کے بھی قابل میں نہیں ہوں
یہ دل کی ہے آواز جو آتی ہے زباں پر
توبہ کریں کیا کہتے ہیں شاعر میں نہیں ہوں
احمد تو کہاں ہے یہ ذرا مجھ کو بتا دے
مدت سے پتہ تیرا جو پاتا میں نہیں ہوں
بندہ ہوں میں اللہ کا محتاج ہوں احمد
کس منہ سے کروں ناز کہ میں بارز میں ہوں

مولانا مومن ومنافق کا فرق بتاتے ہوئے بڑے بلیغ انداز میں فرماتے ہیں:

امتحاں مومن کا ہوتا ہے منافق کا نہیں
یہ مقام قرب ہے رتبہ یہ فاسق کا نہیں

ایک اور شعر میں یوں بیان فرماتے ہیں:

صفت مومن کی یہ ممکن نہیں ہے حق سے ٹل جانا
منافق کی صفت یہ ہے کہ ہر سانچے میں ڈھل جانا

بعض بڑے شعراء کے کلام میں ترمیم کرکے وہ بلند معانی پیدا کر دیتے ہیں جو ایک پوری نظم اور غزل سے مستغنی کر دیتے ہیں مثال کے طور پر غالب کا شعر ہے:

عشق نے احمد مجلی کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

اسی طرح غالب نے کہا:

کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

یہاں غالب کے شعر میں مایوسی ہی مایوسی ہے، مولانا اس یاس وقنوط کو آس ورجاء میں بدلتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں اسی منہ سے کعبہ جاؤں گا
شرم کو خاک میں ملاؤں گا
روؤں گا خوب گڑ گڑاؤں گا
توبہ کرکے انہیں مناؤں گا
ان کی مرضی پہ اب چلونگا میں
منہ کو اب اپنے منہ بناؤں گا

بعض ہندی دوہے بھی ہیں ان میں ترمیم کرکے ان کی معنویت میں اضافہ کر دیا ہے:

لکڑی جل کوئلہ بھیو کوئلہ جل بھیو راکھ
میں پاپن ایسی جلی کوئلہ بھیو نہ راکھ

مولانا نے فرمایا:

لکڑی جل کوئلہ بھیو کوئلہ جل بھیو راکھ
میں پاپی ایسا جلا کہ ہو گیا بالکل پاک

اسی طرح ایک جگہ اور ترمیم کر کے دوہے کی معنویت میں اضافہ فرمایا ہے:

جو میں ایسا جانتی کہ پریت کہیں دکھ ہوئے
نگر ڈھینڈھورا پیٹتی کہ پریت کرے نہ کوئے

حضرت مولانا فرماتے ہیں:

جانے کس نے یہ کہا کہ پریت کہیں دکھ ہوئے
لیکن میں کہتا ہوں احمد پریت کہیں سکھ ہوئے
پریت کی لذت جب سے ملی ہے دل کا عالم ہے کچھ اور
نگر ڈھینڈھورا پیٹ رہا ہوں پریت کرے سب کوئے

مشہور اردو ادیب ونقاد جناب شمس الرحمٰن فاروقی، مولانا کے کلام شعری پر اپنا تأثر یوں بیان کرتے ہیں۔

مولانا کے کلام میں عشق کی سرشاری اور سرمستی، دردمندی اور سوز دروں توجہ الی اللہ اور مقامات وصول الی الحقیقہ کے وہ رنگ ہیں جو حضرت شاہ نیاز بریلوی اور حضرت شاہ عبدالعلیم آسی کی یاد دلاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے یہاں سادگی اور بے ساختگی کا انداز انتہائی دلکش ہے۔

حضرت مولانا اپنے نام کے اعتبار سے احمد تخلص فرماتے ہیں۔

آپ کا مجموعۂ کلام ''عرفان محبت'' اہل دل اور اہل نظر سے خراج عقیدت وصول کر چکا ہے (از کتاب تذکرہ مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی مولفہ مولانا عمار احمد صاحب) صفحہ نمبر ۲۳۸ و۔

مولانا کے دیوان میں تقریباً ۱۱۵ نگارشیں ہیں جو غزل کے اعلیٰ معیار پر ہیں اور حمد ونعت کے اشعار اسی طرح قرآن مجید سے متعلق ایک ولولہ انگیز نظم اور ایک جگہ مسلمانوں کو عام خطاب کیا ہے اور ان کو تبلیغ وہدایت کا فریضہ یاد دلایا ہے۔ یہ اسی ۱۸۰ اشعار کی ایک نظم ہے جس کا مطلع ہے:

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھایئے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

اس میں تبلیغ بھی ہے تصوف بھی۔

مجاہد کی فضیلت پر بھی ایک نظم ہے جس سے مولانا کے اندرونی جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ تصوف تعطل اور فرار نہیں سکھاتا وہ دین کی حمیت اور اسلام کی حمایت کا جذبہ بھی ابھارتا ہے (از مقدمہ کتاب)

اسی طرح بعض رباعیات اور مثنوی سب کی سب شعر وادب کے میدان میں مولانا کے اردو ادب میں اونچے مقام کا اشارہ دیتی ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی محدث رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں مولانا کا منظوم کلام عام یا عامیانہ شاعری کے طرز پر نہیں ہے بلکہ وہ ایک عارفانہ منظوم کلام ہے اسی طرح مولانا کی شاعری کا عنصر توحید، توقیر رسالت، دردمحبت، نور معرفت تسلیک وتربیت ہے وہ بادۂ توحید کی سرمستی میں فرماتے ہیں:

کسی کے سامنے میں کیوں جھکوں پروا کیا مجھ کو
خدا کے سامنے جب شوق سے گردن مری خم ہے

مقام رسالت کی عظمت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

اللہ کا انکار ہے انکار محمدؐ
اللہ کا اقرار ہے اقرار محمدؐ
گر دیدۂ بینا ہو عطا، تو نظر آئے
انوار الٰہی سے ہیں انوار محمدؐ

غرض اس مجموعۂ کلام کو پڑھ کر اچھے اچھے حاضر باشوں کو بھی مولانا ہی کی زبان میں کہنا پڑتا ہے:

احمد تجھے نہ جانا نہ سمجھا تمام عمر
گو ساتھ جا رہے ہیں ترے آ رہے ہیں ہم

خدا کے فضل وکرم سے یہ مجموعۂ کلام افسردہ دلوں میں گرمی اور خشک اور ویران آنکھوں میں نمی پیدا کرتا ہے۔ یہی اصل سوغات اور سوبات کی ایک بات ہے۔

ادب اسلامی کے ترجمان ذیشان
حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھیؒ

محمد فرمان ندوی
(استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء)

صاحب نسبت بزرگ :

حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھیؒ ایک جید عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے، اویس زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے خلیفہ اجل مولانا بدر علی شاہؒ صاحب سے بیعت وارشاد کا تعلق رکھتے تھے، ان کی زندگی اخلاص وللّٰہیت کا مظہر تھی، وہ حقیقی معنوں میں وقت کے ابن الجوزی تھے، وہ ان لوگوں میں نہیں تھے جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے لکھا ہے کہ لوگ دل تو رکھتے ہیں لیکن محبوب نہیں رکھتے۔

نظام جسمانی کے ماہرین نے دل کی تین صفات بیان کی ہیں۔ (۱) حیات (۲) حرکت (۳) حرارت۔ اس تناظر میں حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھیؒ صاحب دل ہونے کی وجہ سے اہل اللہ میں شمار ہوتے تھے، ان کی ہر بات ان کے قلبی جذبات کی آئینہ دار ہوتی تھی، ان کا کلام دل پر اثر کرتا تھا، ان کی شاعری میں گل وبلبل کے ترانے اور چنگ ورباب کی داستانیں نہیں ہوتی تھیں، بلکہ اپنے پیش رو با مقصد شعراء علامہ اقبال، مولانا حسرت موہانی اور خواجہ مجذوب کا رنگ وانداز تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ ساغر وصہبا اور قلقل مینا کی تلمیحات کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتے، ان کی زبان سے نکلا ہوا نثری وشعری کلام بہت معنویت اور خوبیوں کا حامل تھا، اسی وجہ سے اس میں سلاست وروانی بھی تھی اور نغمگی اور دل کشی بھی۔ انہوں نے نثری آثار میں روح البیان کے نام سے مواعظ کا مجموعہ چھوڑا جو اسلاف کے پند ونصائح کا اعلیٰ نمونہ ہے اور شعری باقیات میں ''عرفان محبت'' کے نام سے جو مجموعہ کلام پیش نظر ہے وہ ادب اسلامی شاہکار اور حدیث دل کا لفظی پیکر ہے۔

ادب اسلامی کے نقیب:

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے نشریات ماجد جلد دوم صفحہ ۵۱ میں لکھا ہے کہ ''صالح اور صحت مند ادب وہی ہے جو صحیح مذہبیت کے تحت میں ہو'' حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھیؒ کا کلام مذہبیت میں اپنی مثال آپ ہے، ادب اسلامی کے ماہرین نے ادب کا دائرہ انسان، زندگی اور کائنات تک وسیع کیا ہے۔ مولاناؒ کے مجموعہ کلام میں ان تینوں حدود کی خاطر خواہ ترجمانی موجود ہے، انسان کو اس کا صحیح مقصد یاد دلاتے ہوئے مولاناؒ یوں گویا ہیں:

الفت خدا کی دل میں خدارا جمایئے
پڑھ کر نماز گھر کو خدا کے بسایئے
دنیا کو اپنے دل میں نہ ہرگز بسایئے
اپنے خدائے پاک سے اب لو لگایئے
کبر وریا، نفاق ہر اک بت کو ڈھایئے
دل سے خدا پہ اپنے اب ایمان لایئے

زندگی کی حقیقت کی طرف مولاناؒ نے اشارہ اس طرح کیا ہے۔

زندگی نام ہے اطاعت کا
اور غفلت کا نام ہے مرنا
زندگی ہم جسے سمجھتے ہیں
زندگی یہ نہیں ہے، ہے مرنا

زندگی کی بہار ہے مرنا
اپنی مرضی کو ہے فنا کرنا

کائنات کے خالق کے بارے میں مولاناؒ کا شعر ہے۔

یا علیم، یا سمیع ، یا بصیر
تو قادر، اور تو ہی ہے خبیر
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا
ذکر تیرا روح کی میری شفا

عربی اشعار کی بہترین ترجمانی

عربی کے دو شاعر ہیں: ایک کا نام ابن الفارض ہے، یہ ساتویں صدی ہجری کے ہیں، دوسرے عمر بہاؤ الدین امیری ہیں، یہ بیسویں صدی کے شعراء میں ہیں ملک شام کے رہنے والے ہیں، دونوں نے فطرت اور کائنات اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو موضوع بنا کر شاعری کی ہے ۔حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڑھی کے کلام میں ان دونوں کے بعض اشعار کا ایسا توارد ہے جیسے کہ انہوں نے ان کو اردو قالب میں پیش کیا ہے، ابن فارض کا شعر ہے:

تقدم كل الكائنات حديثها
قديما ولا شكل هناك ولا رسم

حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڑھیؒ کا یہ شعر اس کی پوری ترجمانی کر رہا ہے:

یہ زمین و آسماں ، شمس و قمر
دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر

عمر بہاؤالدین امیری کا شعر ہے:

فيا رب يا بارئ الكائنات
ويا عالماً بخفايا الصدور

مولانا محمد احمد پرتا بگڑھیؒ نے اس کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

توہی خالق ہے توہی خلاق ہے
توہی رب انفس و آفاق ہے

عصری آگہی

علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ: "من لم يعرف أهل زمانه فهو جاهل "(جو اہل زمانہ سے ناواقف ہو وہ نادان ہے)۔

حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڑھیؒ کے اشعار میں عصری آگہی کی پوری جلوہ گری ہے، وہ صحراء و بیاباں میں زندگی گذارنے والے زاہد مرتاض نہیں تھے، بلکہ لوگوں کے درمیان رہ کر ان کے مسائل میں الجھ کر شاداں و فرحاں رہتے تھے، گویا حدیث نبویؐ کا "المؤمن الذى يخالط الناس ويصبر على أذاهم خير من المؤمن الذى لا يخالط الناس ولا يصبر على أذاهم" کی عملی تفسیر تھے، ان کا شعر ہے:

رونا کبھی ،ہنسنا کبھی، جلنا کبھی بجھنا
الوانِ محبت ہے یہ الوانِ محبت

ایک جگہ زمانے کے بگڑے ہوئے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے گویا ہوئے:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو پاجاتے ہیں انعام
رہزن کو بھی رہبر میں سمجھتا ہوں غضب ہے
اس سادگی کو دیکھئے کیا ہوتا ہے انجام

حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڑھیؒ کا پورا کلام شعلہ کو شبنم بنانے، پتھر کو موم کر دینے میں بلا کی تاثیر رکھتا ہے، ان کا ساز دل جب چھڑتا ہے اور بادۂ شوق کے ساتھ ان کی زبان رواں ہوتی ہے تو وہ بات آنکھوں کا سرمہ بنتی ہے اور حکمت و موعظت کے انمول موتی بکھیرتی ہے۔حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڑھی پر علامہ اقبالؒ کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

ہوا ہو گو تند و تیز لیکن، چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہوں انداز خسروانہ

☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کی شاعری میں عصری آگہی کا عنصر

شاہ اجمل فاروق ندوی استاد حدیث جامعہ خیر النساء دہلی

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اردو زبان کے ارتقاء میں صوفیاء کرام کے حصے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی۔ نہ اس کا انہیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی۔ لیکن اس ضمن میں خود بہ خود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی، جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی۔ گو یہ اب ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مؤرخ ان کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔'' (اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص ۴۹)

جس تاریخی حقیقت کی طرف مولوی عبدالحق نے اشارہ کیا ہے، ہندستان میں اس کا سلسلہ تیرہویں صدی عیسوی میں شیخ فریدالدین گنج شکر سے شروع ہوا اور بوعلی شاہ قلندر، امیر خسرو، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے ہوتا ہوا بیسویں صدی عیسوی میں حضرت مولانا محمد شاہ احمد پرتاپ گڑھیؒ تک جا پہنچا۔

حضرت مولانا کے کلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جا بہ جا امت مسلمہ اور پوری انسانیت کو لاحق امراض کی نشان دہی بھی کرتے ہیں اور ان امراض کا علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔ کہیں وہ مسلم عوام کو اپنا مخاطب بناتے ہیں تو کہیں مسلم قائدین کو ان کا فرض منصبی یاد دلاتے ہیں۔ کہیں مسلمانوں کے داخلی مسائل کا حل پیش کرتے ہیں تو کہیں مغرب کی اندھی تقلید کے انجام سے باخبر کرتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں میں ذوق جہاد اور شوق شہادت کو ابھارتے ہیں تو کبھی ان کی ایمانی کم زوری اور قرآن کریم سے ان کے رسمی تعلق پر سخت تنبیہ کرتے ہیں۔ کبھی ''وندے ماترم'' جیسے شرک آمیز ترانے کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں تو کبھی خود مسلمانوں کے سامنے ان کے عالمی زوال کے اسباب اور اس سے نکلنے کے طریقے بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح کہیں وہ تزکیہ وتصوف کے پاکیزہ روحانی نظام سے مسلمانوں کی غفلت اور دوری پر آنسو بہاتے ہیں تو کہیں تصوف کے نام پر کاروبار کرنے والے جاہل صوفیاء اور باطل تصوف پر تیشہ زنی بھی کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ موجودہ زمانے میں انہوں نے جن چیزوں کو مسلمانوں اور پوری انسانیت کے حق میں مضر اور نقصان دہ سمجھا، ان چیزوں کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوئے اور اپنی مجلسوں اور مواعظ کے ساتھ ساتھ اپنی شاعری کے ذریعے بھی ان مسائل کے متعلق عام بے داری پیدا

کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک مقام پر بڑے کرب کے انداز میں مسلمانوں کے زوال کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔

گئی فصل بہاراں، آگیا دور خزاں ساقی
تلاش گل میں اب تو ہی بتا جائیں کہاں ساقی
زمانہ ہو رہا ہے آج ہم سے بدگماں ساقی
نظر آتے ہیں برگشتہ زمین وآسماں ساقی
میں ڈرتا ہوں نہ مٹ جائے سلف کی داستاں ساقی
نظر آتا ہے اب کچھ اور ہی رنگ جہاں ساقی
سہیں کب تک بتا تو ہی یہ جور باغباں ساقی
دل وحشی کا کب تک ہوگا آخر امتحاں ساقی

اقبال نے یورپ کی اندھی تقلید اور اس کے مکمل اتباع پر خود مسلمانوں سے شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا:

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی نے دیکھا کہ مسلمان مغرب کی جانب سے ہونے والے مظالم اور ناانصافیوں کے باوجود اس کے در کی گدائی کرنے پر تلا ہوا ہے اور کسی صورت مغرب کی مخالفت کو تیار نہیں ہے۔ وہ بڑی بے چینی کے ساتھ اپنے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہیں:

ہو رہے ہیں کیسی جرأت سے وہ حق پر خندہ زن
پھر بھی تو ہے ان پہ قرباں، عشق نے پہنا کفن
ہائے ناداں! سنگ ریزوں پر تو راضی ہوگیا
ورنہ مل جاتا تجھے اس بزم سے در عدن

''وندے ماترم'' کا مسئلہ ہندستانیوں کے لیے کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ آزادی کے بعد سے وقتاً فوقتاً ایک مخصوص طبقے کی طرف سے یہ مسئلہ اٹھایا جاتا رہا ہے۔ اس شرک آمیز ترانے کو پڑھنے کی آوازیں بلند کی جاتی رہی ہیں۔ اس کو قومی ترانے کی شکل میں پیش کرنے کی نامراد کوششیں بھی ہوتی رہی ہیں۔

حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی اگرچہ ایک صوفی اور شیخ طریقت تھے، لیکن وہ اس اہم مسئلے سے غافل نہیں رہے۔ اپنے مطلع میں اس ترانے سے بے زاری کا صاف اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مدد غیر سے جس میں مانگی گئی ہو
وہ مسلم کا ہرگز ترانہ نہیں ہے

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھی کا کلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ کے الفاظ میں اگر ایک طرف ''عشق ومستی سے بھرپور اور معرفت ومحبت کا شراب طہور'' ہے تو دوسری طرف اس میں موجودہ انسانی مسائل اور عالم اسلام کو درپیش مشکلات کا حل بھی موجود ہے۔

مولانا کی شاعری میں عصری آگہی کا یہ عنصر ہی ان کو شعر گو صوفیاء کی صف میں نمایاں مقام اور امتیاز عطا کرتا ہے۔ اس میں نئی نسل کیلئے فہم وبصیرت کی روشنی بھی ہے، اور ملت اسلامیہ کے لئے پیام بیداری بھی اور آج کے شعراء اور سخن وروں کیلئے ایک مشعل راہ بھی۔ یقیناً یہ شاعری دیر تک زندہ رہنے والی ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھی نوراللہ مرقدہ کو تاریخی منظوم خراج عقیدت

علامہ سید عبدالعزیز ظفر جنگ پوری

حضرت احمدؒ، عظیم المرتبت عالی وقار
آبلہ پائی سے ،تو صحرا میں لایا تھا بہار
تو ہر اک سو، عظمت کہنہ کو پیدا کر گیا
جذبۂ مہر واخوت کو، دلوں میں بھر گیا
گمرہوں کو، ان کی منزل سے شناسا کرگیا
ظلمتوں میں تو، ہر اک جانب اجالا کر گیا
تو مسیحؑ و خضرؑ منزل، تھا امیر کارواں
عمر بھر تو نے دیا، درس حیات جاوداں
راہ حق کو، تو ہر اک جانب ہویدا کرگیا
دل جو مردہ ہو چکے تھے، ان کو زندہ کرگیا
تونے جو روشن کیا، ہرسو ہدایت کا چراغ
گمرہوں نے اس سے پایا اپنی منزل کا سراغ
تجھ سا رہبر، دارفانی میں کوئی ملتا نہیں
اور تجھ بن، چاک داماں بھی کہیں سلتا نہیں
آج تک بھی ہے،ترے ہی فیض کا دریا رواں
تجھ سا مشفق مہرباں ہم ڈھونڈنے جائیں کہاں
تیرے احساں کو اے محسن ،ہم بھلا سکتے نہیں
تیری یادوں کو دلوں سے ہم مٹا سکتے نہیں
زندگی بھر، پھر غیر حق سے ،تجھ کو بیزاری رہی
اہل حق سے عمر بھر، حد درجہ دلداری رہی
روشنی پھیلی تھی، جسکی ہر طرف نزدیک ودور
تھا یقیناً، وہ تیری کشف وکرامت کا ظہور
تا دم آخر، جہالت کو مٹا تا ہی رہا
ہر طرف توحید کا نعرہ لگاتا ہی رہا

یہ مسلم ہے کہ تو اسلاف کی تھا یادگار
رحمت حق سایہ افگن،تجھ پہ تھی لیل ونہار
حضرت بدرعلیؒ شیخ طریقت بے نظیر
معرفت کا جام پی کر جسکی دنیا تھی اسیر
شیخ ؒ کی اپنے، نیابت کو مجلی کردیا
مرشد کامل کا ہرسو بول بالا کر گیا
تجھ کو بخشا تھا، مشیت نے شعور لازوال
تیری ہستی تھی جہان رنگ وبو میں بے مثال
تو ہوا رخصت تو رخصت ہوگئی فصل بہار
آہ سب کو لوٹ کر تو لے گیا صبر وقرار
اک قمرا تو زندگی میں ایسا پیدا کر گیا
جس کا اک عالم کے عالم کو شیدا کر گیا
روشنی سے جس نے عالم کو درخشاں کر دیا
جو ملا اس سے، اسے لعل بدخشاں کر دیا
جسکو بخشا ہے مشیت نے شعور آگہی
جس کے سر پر حق نے رکھا آج تاج قیصری
تیرے فیض باطنی سے اس کو یہ دولت ملی
جس کے باعث کی عطا،حق نے اسے بالاتری
دوش پر تو باندھ کر، رخت سفراے جان جاں
کوچۂ فانی سے، اٹھ کر ہو گیا خلد آشیاں
ہر قدم پر، اپنے مقصد میں رہا تو کامراں
ہے ظفر کی یہ دعا، تو خلدمیں ہو شادماں
تاجدار جنت فردوس،احمدؒ حرزجاں
نیک دل تھا مظہر اخلاق محبوب جہاں

تجاویز مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ سیمینار

تجاویز کمیٹی

۱۔ یہ اجتماع حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ کے سلسلے میں ہونے والے ادبی سیمینار کی کامیابی پر اللہ کی بارگاہ میں شکر ادا کرتا ہے اور معاونین کے لئے بھی تہہ دل سے دست بدعا ہے۔

۲۔ یہ اجتماع اس بات کی سخت ضرورت محسوس کرتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ کی حیات اور ان کی دینی وادبی کاوشوں پر مشتمل ایک کتاب سامنے لائی جائے اور ان کے اس کلام کو جو ابھی کسی کتاب میں پیش نہیں کیا گیا اور عرفان محبت میں شامل نہیں ہوسکا ہے، سامنے لایا جائے۔

۳۔ یہ اجتماع ضرورت محسوس کرتا ہے کہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے علمی وادبی مذاکرے تھوڑے تھوڑے وقفے سے چھوٹے ہی پیمانہ پر سہی مختلف شہروں میں رکھے جاتے رہیں تاکہ ادب کے حوالہ سے اسلامی اور مذہبی سوچ کو زیادہ سے زیادہ فروغ مل سکے۔

۴۔ یہ اجتماع اس ضرورت کا بھی اظہار کرتا ہے کہ مختلف ادوار کے علماء اور بزرگوں کے حوالے سے ان کی ادبی خدمات کے متعلق علمی مذاکرے منعقد کئے جائیں اور ان کی علمی وادبی کاوشوں کو دریافت کیا جائے۔

۵۔ یہ اجتماع ضرورت محسوس کرتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ کی شاعری سے متعلق اس سیمینار میں پڑھے جانے والے تمام مقالات ایک مستقل تالیف کی شکل میں شائع کئے جائیں۔

۶۔ اجتماع کے اہل علم شرکاء نے اس بات کو شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ چونکہ یہ میڈیا کا دور ہے اور مختلف حوالوں سے مہلک اور مضر افکار پھیلائے جارہے ہیں، اور نوجوان ذہنوں کو مسموم کیا جارہا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے پلیٹ فارم سے متنوع عناوین وموضوعات کے تحت علمی مذاکروں کی کثرت ہونی چاہئے، تاکہ نئی نسل کو مضر اور مخرب اخلاق اثرات سے بچایا جاسکے۔

۷۔ یہ اجتماع اس بات کی بھی نہایت ضرورت محسوس کرتا ہے کہ رابطے کے ترجمان سہ ماہی کاروان ادب کی اشاعت کو عام کیا جائے تاکہ رابطہ کا پیغام عام کرنے میں پوری مدد مل سکے۔

۸۔ آخر میں یہ اجتماع رابطہ ادب اسلامی شعبہ برصغیر کے صدر حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کا تہہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے اس تاریخی شہر میں اس عظیم الشان مذاکرے کا اہتمام فرمایا۔

اور اس سیمینار کے سرپرست شیخ وقت حضرت مولانا شاہ قمرالزماں صاحب الہ آبادی کا بھی ممنون ہے کہ انہوں نے اس اہم موضوع پر سیمینار کو اپنی ضیافت کا شرف بخشا اور اس کی کامیابی کے لئے اپنے ادارے دارالمعارف الاسلامیہ کے اساتذہ، طلباء اور کارکنان کو مامور فرمایا۔

رپورٹ علاقائی مذاکرۂ علمی رابطہ ادب اسلامی عالمی

بعنوان

اسلامی ادب میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور اس کے اسلامی اصول واقدار

منعقدہ بھٹکل (کرناٹک) بتاریخ ۲-۳/جون ۲۰۱۱ء بروز جمعرات، جمعہ

از اقبال احمد ندوی

بھٹکل (کرناٹک)۔ ۲/جون ۲۰۱۱ء

''ابلاغ کا عمل دراصل انسانی زندگی کے لیے خیر پسندی رکھنے والے نمونوں سے واقف کرانا ہوتا ہے، تاکہ زندگی کو بہتر بنانے اور غلط راہوں سے بچانے اور اچھے نمونوں کے اختیار کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی جاسکے، اس میں اسی کے ساتھ ساتھ زندگی کی الجھنوں میں تسکین کا سامان مہیا کرنا بھی ہوتا ہے، لیکن انسان بعض وقت تسکین مہیا کرنے کے سلسلہ میں اپنی خواہش نفس کی تکمیل کو ہی مقصد بنا کر غیر اخلاقی انداز اختیار کر لیتا ہے، اس سے واقفیت حاصل کرنے والوں کو تسکین تو حاصل ہوتی ہے، لیکن اس کی افادیت تعمیری لحاظ سے منفی بلکہ مضر ہوجاتی ہے، جیسا کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بہت زیادہ پیش آنے لگا ہے، لہذا ضرورت ہے کہ صحیح اور تعمیری لحاظ سے ابلاغ کا عمل اختیار کرنے کے لیے ہم اولاً قرآن مجید اور حدیث شریف کی طرف رجوع کریں، گذشتہ قوموں اور ان میں مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام کے واقعات قرآن مجید میں جس طرح بیان کئے گئے ہیں وہ ابلاغ کے اعلیٰ مقصد کو پورا کرنے کے لیے بہترین رہنمائی کا سامان رکھتے ہیں۔''

> ''ہم کو اسلامی تعلیمات کی رُو سے نہ صرف یہ کہ ابلاغ کے ذرائع کو نیک مقاصد کے لیے اختیار کرنا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی توجہ دلانا ہے کہ ایسے کامیاب اور اثر انگیز ذرائع حاصل ہوجانے پر ہم ابلاغ کو زیادہ سے زیادہ بہتر کردار سازی کے لیے اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائیں۔''
>
> حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

ان خیالات کا اظہار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر رابطہ ادب اسلامی عالمی شعبۂ برصغیر وممالک مشرقیہ نے بھٹکل میں منعقد ہونے والے رابطہ ادب اسلامی کے ۲۹ویں سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں اپنا خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے کیا۔ یہ سیمینار مولانا ابو الحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی

بھٹکل کے تعاون اور رابطہ کی بھٹکل شاخ کے زیر اہتمام جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں ۲-۳ر جون ۲۰۱۱ء کو ''اسلامی ادب میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت اور اس کے اسلامی اصول واقدار'' کے موضوع پر منعقد ہوا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں بیان کردہ حالات اور واقعات اس بات کی مثال پیش کرتے ہیں کہ انسان کو اپنی زندگی کو سنوارنے اور تعمیری مقصد کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کے ایسے حالات اور واقعات کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے، جن سے وہ اپنے مقامی ماحول سے حاصل کردہ مفید معلومات میں اضافہ کرے جو ان کو دوسروں کے حالات سے واقف کرانے سے حاصل ہوتے ہیں، اس طرح ابلاغ کے عمل کا اجراء ہوتا ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف نے جہاں معلومات کے فراہم کرانے میں انسانوں کی اصلاح اور دنیا وآخرت میں ان کو فائدہ پہونچانے کو سامنے رکھا ہے، اسی طرح ابلاغ کے کام کرنے والوں کے سامنے اعلیٰ مثال پیش کی ہے، اسی طرح ابلاغ کے کام میں مضر اور انسانیت سوز اور اخلاق باختہ حالات کو پیش کرنے سے سخت منع کیا ہے۔

مولانا نے ابلاغ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ شروع زمانہ میں ابلاغ کا ذریعہ زبانی تھا جو زبانی سے تحریری میں منتقل ہوا، پھر ابلاغ کا یہ عمل مرحلہ وار آہستہ آہستہ ترقی کی راہوں سے گذرنے لگا، مسلمانوں کے علمی وادبی فروغ کے عہد میں مستقل کتابیں لکھی گئیں، جو ابلاغ کے مقصد کے مفید اور دل پسند انداز کو پورا کرتی تھیں اور آج تک ان سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے، جیسے جاحظ کی بعض کتابیں اور دمیری کی کتاب، لیکن یہ عموماً اس دور میں ہوا جب طباعت کا مرحلہ شروع نہیں ہوا تھا، طباعت کا مرحلہ شروع ہونے پر ابلاغ کے کام پر غلبہ یورپ کے لوگوں کا ہوگیا، جن پر انسان کی خواہش نفس کو پورا کرنے اور تجارتی فائدہ کے بڑھانے کا شوق غالب تھا اور ان کے اہل سیاست پر اپنے سیاسی مفادات کے فروغ کا غلبہ تھا، اس طرح ابلاغ کا عمل تخریبی راہوں پر چلنے لگا۔ آج کی اخباری صحافت اور بصری وسمعی ذرائع نے انسانوں کو غلط راہوں اور تخریبی حالات سے واقف کرانے کو گویا مقصد بنالیا ہے، جس کے اثر سے انسان اخلاقی لحاظ سے جانور بنتا جارہا ہے، ہم کو اسلامی تعلیمات کی رُو سے نہ صرف یہ کہ ابلاغ کے ذرائع کو نیک مقاصد کے لیے اختیار کرنا ہے بلکہ دوسروں کو بھی توجہ دلانا ہے کہ ایسے کامیاب اور اثر انگیز ذرائع حاصل ہوجانے پر ہم ابلاغ کو زیادہ سے زیادہ بہتر کردار سازی کے لیے اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائیں۔

اس سے قبل ناظم جلسہ مولانا نذر الحفیظ ندوی صدر شعبۂ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء نے مغربی میڈیا پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آج میڈیا پر اجارہ داری صہیونیوں کی ہے، اسی وجہ سے وہ ہر میدان میں چھائے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر سیمینار کے داعی اور میزبان مولانا محمد الیاس ندوی جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل نے مہمانوں کا استقبال کیا، اور جلسہ کی غرض وغایت بیان کی، اور موجودہ عہد میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت، کارکردگی، خطرناکی اور اسلام کے مفاد میں اس کو کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے، اس پر مختصراً روشنی ڈالی، اور اپنی اکیڈمی کا تعارف کراتے ہوئے اس کی سرگرمیوں اور خدمات کا تذکرہ کیا۔

اس کے بعد مولانا نذر الحفیظ ندوی نے رابطہ ادب اسلامی کے سکریٹری جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی طرف سے ان کی مرتب کردہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ مولانا نے

اپنی رپورٹ میں بتایا کہ یہ رابطہ کا ۲۹ واں سیمینار ہے، اس سے قبل مختلف علاقوں میں کل ہند سطح پر ۲۸ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، ان کے علاوہ علاقائی سیمینار بھی بڑی تعداد میں منعقد کئے گئے ہیں۔

مولانا سید محمد واضح رشید صاحب نے رابطہ ادب اسلامی کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے اس سیمینار کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ یورپ نے جس طرح ادب اور ثقافت کو اپنی فکر اور طرز زندگی کی اشاعت اور ترویج کا ذریعہ بنادیا ہے اسی طرح ذرائع ابلاغ کو بھی اپنے ان مقاصد کے لئے استعمال کر رہا ہے، اس کے ساتھ میڈیا پر یہودی کنٹرول نے اس کے مضر اثرت میں اور اضافہ کر دیا ہے، میڈیا کی تأثیر ادب اور علم کی تأثیر سے زیادہ محیط ہے، اس لئے کہ وہ جغرافیائی حدود کی پابند نہیں، ادب اور علم کی تاثیر محدود اور شخصی یا قومی ہے، میڈیا کی تأثیر عالمی ہے، جو لوگ مغربی ادبی نظریات و رجحانات کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مغربی ادب و لٹریچر، فضائل اور اچھائیوں کے بجائے رذائل اور برائیوں کا ذریعہ بن گیا ہے، اور خیر و صلاح، تعمیر و اصلاح کے بجائے شر و فساد اور تخریب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور اجتماعی اقدار و روایات کی ادب و لٹریچر کی راہ سے دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، یہ سب انسانی اخلاق و کردار کی تشکیل کرنے والے اور بنی نوع انسان کو بلند اقدار و روایات کا درس دینے والے دین و تعلیمات دین سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔

مولانا نے مزید فرمایا کہ میڈیا علم و فن اور ادب کا مجموعہ ہے، اگر تصور حیات اور نظریۂ زندگی کے بدلنے سے علم و فن اور ادب میں کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے تو طبعی طور پر انفارمیشن میڈیا میں بھی تبدیلی رونما ہوتی ہے، ذاتی منفعت اور شخصی مفادات کے غلبہ کی وجہ سے میڈیا صحیح اور مطابق حال خبریں بہم پہونچانے کے بجائے گمراہ کن واقعات اور خلاف واقعہ خبریں پیش کرنے کا آلہ بن گیا ہے، چنانچہ آج ظالم کو مظلوم، قاتل کو مقتول اور مجرم کو ایسا معصوم بنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ گویا ساری رحمت و شفقت اور رحم و کرم کا وہی مستحق ہے، یہ میڈیا ہی ہے جس میں بڑے بڑے شاطر، مافیا، غنڈے اور انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو امن کا پیامبر بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مقاصد کو اگر وسائل سے الگ کر دیا جائے، اور مقاصد کے تصور کو بدل دیا جائے تو یہ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔

مولانا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ نے جو طاقت حاصل کر لی ہے وہ جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔ آج ملکوں اور قوموں کی تقدیریں نوک قلم سے وابستہ ہوگئی ہیں اور صحافت ملتوں اور قوموں کا مزاج بناتی اور بگاڑتی ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو جس طرح ادب کی تعمیری اور تخریبی طاقت اور صلاحیت کا احساس تھا، اور اس کو صحیح مقاصد کی طرف متوجہ کرنے کی فکر تھی، اسی طرح ذرائع ابلاغ جو ادب ہی کی طرح تأثیر اور ذہن کی تشکیل کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کی اصلاح اور اس کے اہم کردار کی طرف متوجہ کرنے کی فکر تھی، اور اس کے لئے انہوں نے ادب اسلامی کی تحریک کے ساتھ ساتھ کوشش کی تھی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے اردو ایڈیٹرز کانفرنس (۱۹۷۹ء) سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:۔

''میں اس وقت آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کی ترجمانی کے لئے میرے پاس جگر مرادآبادیؒ کے اس شعر سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں، وہ کہتے ہیں:

کامل رہبر، قاتل رہزن
دل سا دوست، نہ دل سا دشمن

انہوں نے یہ شعر دل کے متعلق کہا ہے، میں صحافت کو بھی اس کا صحیح مصداق سمجھتا ہوں، آپ کا قلم دودھاری تلوار ہے، جس سے آپ تخریب کا کام بھی لے سکتے ہیں اور تعمیر کا بھی۔ پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے عملی طور پر اس کے لئے دار العلوم ندوۃ العلماء میں اعلام کا شعبہ قائم کیا اور میڈیا ریسرچ سنٹر قائم کیا جس میں لکھنؤ شہر کے معروف صحافیوں کا تعاون حاصل کیا گیا۔

افتتاحی اجلاس میں جزائر مالدیپ کے دینی امور کے وزیر ڈاکٹر عبد المجید، جامعہ علوم القرآن جمبوسر (گجرات) کے مہتمم مولانا مفتی احمد دیولوی اور جامعہ اسلامیہ عربیہ اجراڑہ میرٹھ کے جنرل سکریٹری مولانا گلزار احمد قاسمی نے بھی اپنے تاثرات پیش کئے، اور سیمینار کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ خاص طور پر ڈاکٹر عبد المجید صاحب نے رابطہ ادب اسلامی کی خدمات اور سرگرمیوں پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اس بات پر زور دیا کہ سیمینار میں جو تجاویز پاس ہوں ان پر عملدرآمد کو بھی یقینی بنایا جائے تاکہ اس کا فائدہ عام ہو۔ اسی طرح انہوں نے اس کا بھی وعدہ کیا کہ انشاء اللہ وہ جلد ہی مالدیپ میں بھی رابطہ ادب اسلامی کی شاخ قائم کریں گے اور اس کے تحت ادبی سرگرمیوں کا آغاز کریں گے۔

افتتاحی اجلاس کے بعد مقالات کی تین نشستیں منعقد ہوئیں جن میں سیمینار کے موضوع سے متعلق مختلف عناوین پر کل اٹھارہ (۱۸) مقالات پیش کئے گئے۔ مقالات کی نشستوں کی صدارت بالترتیب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، بھٹکل شہر کے قاضی مولانا محمد اقبال ملا ندوی اور رکن مجلس شوری جامعہ اسلامیہ بھٹکل مولانا عبد المتین منیری نے کی، جب کہ نظامت کے فرائض مولانا ایس. ایم. سید ہاشم ندوی، مولانا عبد الحمید اطہر ندوی اور مولانا علیم الدین خطیب ندوی نے انجام دیئے۔ نشستوں کے اختتام پر صدر حضرات نے مقالات پر اپنے خیالات ظاہر کئے۔ مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی نے فرمایا کہ ابلاغ کا موضوع بہت ہی اہم موضوع ہے، ہمیں اس کی اہمیت سمجھنا چاہئے اور اسے علم و دین اور اخلاق فاضلہ کے فروغ کے لئے استعمال کرنا چاہئے جس سے دنیا میں علم وثقافت عام ہو اور اخلاق کا دور دورہ ہو۔

سیمینار میں جن حضرات نے مقالے پیش کئے ان میں چند اہم حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر رابطہ ادب اسلامی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی سکریٹری جنرل رابطہ ادب اسلامی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا مفتی احمد دیولوی مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات، ڈاکٹر ابو بکر رہبر (اورنگ آباد)، مولانا ثناء اللہ قاسمی ڈائرکٹر شعبۂ دینیات ای ٹی وی حیدر آباد، مولانا عبد الرشید ندوی اورنگ آباد، ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی صدر شعبۂ اردو انجمن کالج بھٹکل، مولانا محمود حسن حسنی ندوی استاد مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، مولانا عبد الرحمٰن ملی ندوی استاد جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مولانا محمد شاکر فرخ ندوی استاد المعہد الاسلامی مانک مئو سہارنپور، مولانا نور الصباح اسماعیل کلکتہ مہتمم مدرسہ باب العلوم کلکتہ، مولانا سعود الحسن ندوی استاد ادب عربی مدرسہ دینیہ غازیپور، مولانا اقبال احمد ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا مشہود السلام ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد ناصر ایوب ندوی ناظم مدرسہ انوار القرآن و پبلک اسکول

مانکپور للہاڑی ضلع یمنا نگر، مولوی محمد ذاکر بارہ بنکوی ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولوی حسرت علی بارہ بنکوی قاسمی ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی مدیر ماہنامہ اعتدال علی گڑھ، مولانا عبد المصور ندوی استاد مدرسہ محمدیہ امراوتی مہاراشٹر وغیرہ۔

اختتامی نشست

افتتاحی اجلاس اور مقالات کی تین نشستوں کے بعد ۳/ جون ۲۰۱۱ء کو صدر رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں سیمینار کی اختتامی نشست منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے معروف شاعر وادیب ڈاکٹر راہی فدائی، ڈاکٹر قمر الدین سابق مشیر اقوام متحدہ اور مولانا سید عبد اللہ محمد حسنی ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنے تأثرات وخیالات پیش کئے جن میں ذرائع ابلاغ کے موضوع پر منعقد ہونے والے اس سیمینار پر اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کیا اور رابطہ ادب اسلامی کی سرگرمیوں اور خدمات کی ستائش کی۔

اس کے بعد تجاویز کمیٹی کی مرتب کردہ تجاویز مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے پیش کیں، تجاویز میں یہ بات سامنے آئی کہ ہر سال تعمیری صحافت کے عنوان سے ایک ورکشاپ ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں منعقد کیا جائے، اس میں مسلم صحافیوں کو دعوت دی جائے اور اسلامی مدارس کے طلبہ کو بھی مدعو کیا جائے جو صحافت سے وابستہ ہوں، اس ورکشاپ میں انسانیت سوز اور اخلاق سوز مضامین کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جائے۔ نیز تمام بڑے مدارس میں میڈیا سینٹر قائم کیا جائے جہاں مقامی زبانوں میں شائع ہونے والی ان خبروں اور مضامین کا جائزہ لیا جائے اور بروقت ان پر تردیدی مراسلات اور مضامین اخبارات میں شائع کرائے جائیں۔ اسی طرح ہندوستان کے تمام اسلامی مدارس سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے یہاں کی علاقائی زبانوں میں ماہنامے اور سہ ماہی رسالے شائع کریں اور انہیں غیر مسلم اخبارات ورسائل کو اہتمام سے بھیجیں۔ ایک تجویز یہ بھی سامنے آئی کہ مسلم اور غیر مسلم صحافیوں کے درمیان ملاقاتوں کا اہتمام کیا جائے، اسی طرح ان کالجوں میں جہاں مسلمان طلبہ زیر تعلیم ہیں، ان کو بھی اسلام سے متعلق معلومات مہیا کی جائیں، اور غیر مسلم طلبہ کے سوالات کی ایک نشست کا اہتمام ضرور کیا جائے۔

آخر میں صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے پہلے رابطہ ادب اسلامی کی تشکیل پر مختصر روشنی ڈالی اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ بانی صدر رابطہ ادب اسلامی کی فکرمندیوں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ ابتداء میں ادب کے ساتھ اسلامی کے لفظ کی مخالفت کی گئی، لیکن بعد میں جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ تعمیری کام ہے تو پھر ان کی مخالفت کم ہوتی گئی اور لوگ اس سے جڑتے گئے اور اب ماشاء اللہ اس کا کارواں چل پڑا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ ہمارا آج کا یہ سیمینار میڈیا کے موضوع پر ہے، بھٹکل میں اس موضوع پر اس سے پہلے بھی سیمینار منعقد ہو چکا ہے، ہمیں میڈیا کو تعمیری بنانا ہے، کیونکہ آج کا میڈیا تخریبی ہو چکا ہے۔ اسلام انسانیت نوازی کے لئے آیا ہے، وہ انسانیت کے تقاضے پورے کرتا ہے، اور ہمارا یہ اسلامی ادب بھی انسانی ادب ہے، ہمیں اس ادب کو انشاء اللہ آگے بڑھانا ہے۔

صدر جلسہ کی دعاء پر سیمینار کا اختتام ہوا۔

☆☆☆☆☆

☆☆

رپورٹ علاقائی مذاکرۂ علمی رابطہ ادب اسلامی عالمی

بعنوان ''اکبر الہ آبادی اور ان کے معاصر شعراء''

منعقدہ مدرسہ دینیہ غازیپور بتاریخ یکم/اکتوبر ۲۰۱۱ء بروز شنبہ

از اقبال احمد ندوی

غازیپور (یوپی)۔ یکم/اکتوبر ۲۰۱۱ء

''اکبر الہ آبادی ایک حساس اور دین و ملت کا درد رکھنے والے شاعر تھے، ان کے زمانہ میں ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی جنہوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی، اسی لئے وہ مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور ڈرتے تھے کہ مسلمان پھر سے حکومت واپس لے سکتے ہیں، چنانچہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے یہ طے کرلیا کہ مسلمانوں کی کمر توڑ دی جائے تاکہ وہ دوبارہ ابھر نہ سکیں، اس کے لئے انہوں نے عسکری اور تعلیمی میدان کا انتخاب کیا، اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ اپنی تہذیب ہندوستانیوں پر تھوپی اور ایسا نظام تعلیم رائج کیا جس کے پڑھنے والے ہمیشہ ان کے تابع بنکر رہیں اور متبوع اور حکمراں بننے کا خواب دل سے نکال دیں۔ اکبر الہ آبادی اور ان کے معاصر شعراء کا یہ اہم کارنامہ ہے کہ انہوں نے مغربی تہذیب کا مقابلہ کیا اور اسلام کی برتری ثابت کی اور مسلمانوں کے دلوں سے احساس کمتری دور کرنے کی کامیاب کوشش کی۔''

> ''اکبر الہ آبادی کی شاعری اگرچہ طنزیہ ہے، لیکن درحقیقت بامقصد اور معنی خیز شاعری ہے، انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ مغربی تہذیب کے مضر اثرات پر سخت نقد کیا ہے اور اس کی خامیاں مزاحیہ انداز میں اجاگر کی ہیں، ہمیں چاہئے کہ ہم اکبر کے اشعار صرف مزے اور چٹخارہ کے طور پر نہ پڑھیں، بلکہ ان کے مقصد اور احساسات و جذبات کو سامنے رکھ کر پڑھیں۔''
>
> حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

ان خیالات کا اظہار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر رابطہ ادب اسلامی عالمی شعبۂ برصغیر و ممالک مشرقیہ نے غازیپور میں منعقد رابطہ ادب اسلامی کے ایک علاقائی سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں اپنا خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے کیا۔ یہ سیمینار رابطہ کی غازیپور شاخ کے زیر اہتمام مدرسہ دینیہ غازیپور کے تعاون سے یکم/اکتوبر ۲۰۱۱ء کو ''اکبر الہ آبادی اور ان کے معاصر شعراء'' کے موضوع پر منعقد ہوا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ یہ موضوع صرف ایک فرد سے متعلق نہیں ہے، بلکہ ایک پورے عہد سے متعلق ہے جو مسلمانوں کے لئے بہت نازک اور حوصلہ شکن عہد تھا، یہ موضوع ایک جامع موضوع ہے جس میں کئی پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اُس وقت ملت اسلامیہ تاریخ کے دشوار ترین مرحلہ سے گذر رہی تھی جس کا اندازہ آج ہم

لوگ نہیں کر سکتے، انگریزوں کی آمد کے بعد سے ہندوستان کا پورا نقشہ بدل کر رہ گیا تھا۔ ایسے حالات میں ہمارے علماء اور ادباء و شعراء نے اپنے اپنے طور پر انفرادی اور اجتماعی کوششیں کیں اور وہ بڑی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب رہے۔ اکبر الہ آبادی، مولانا الطاف حسین حالی اور علامہ شبلی نعمانی اور ان کے معاصر دیگر شعراء، ادباء اور علماء نے اپنے اشعار اور اپنی تحریروں سے مغربی تہذیب کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ کی داستان سنا کر اسلام پر ان کا اعتماد بحال کیا، یہ بڑا ہی قابل قدر اور لائق تحسین کام تھا، اسی لئے رابطہ ادب اسلامی نے آج کے سیمینار کے لئے اس موضوع کا انتخاب کیا ہے۔

اس سے قبل ناظم جلسہ مولانا نذر الحفیظ ندوی صدر شعبۂ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء نے موضوع کا تعارف کرایا اور رابطہ ادب اسلامی کے سکریٹری جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی طرف سے ان کی مرتب کردہ رپورٹ پڑھ کر سنائی جس میں رابطہ ادب اسلامی کی کارکردگی اور خدمات وسرگرمیوں کا تفصیلی تذکرہ تھا اور موضوع سے متعلق تفصیل تھی۔ سیمینار کے داعی اور میزبان مولانا عزیز الحسن صدیقی ندوی مہتمم مدرسہ دینیہ و صدر رابطہ ادب اسلامی شاخ غازیپور نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا جس میں غازیپور کی مفصل تاریخ بیان کرتے ہوئے مدرسہ دینیہ کی دینی و تعلیمی و اصلاحی سرگرمیوں اور خدمات کا تذکرہ کیا۔

افتتاحی اجلاس میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاد مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری اور مشہور نعت گو شاعر ڈاکٹر تابش مہدی نے بھی اپنے اپنے تأثرات پیش کئے۔ مولانا خالد غازیپوری نے رابطہ کے بانی صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا کہ ہر چیز میں دل کا شامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ بقول علامہ اقبال کے: نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر+نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر۔ اس خون جگر کو پیش کرنے والا اسلامی ادیب ہی ہوسکتا ہے۔ رابطہ نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اور اس کی قلمی کاوشوں کو ہر طرف سے پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر تابش مہدی نے کہا کہ ادب حسن کلام اور تاثیر کلام کا نام ہے۔ ادیب کو سماج کا مصلح اور معمار کہا گیا ہے، لیکن پچھلے زمانہ میں اور کسی حد تک اب بھی ادب بے ادبوں کے ہاتھ میں تھا اور ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے اسے جن ہاتھوں میں ہونا چاہئے، انہیں ہاتھوں میں آیا ہے، اور اس کے لئے حضرت مولانا نے ہمیں رابطہ ادب اسلامی کا یہ پلیٹ فارم دیا ہے، لہذا ہمیں اس کام کو آگے بڑھانا چاہئے۔

مولانا سعود الحسن ندوی استاد شعبۂ عربی مدرسہ دینیہ غازیپور نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور صدر جلسہ کی دعاء پر افتتاحی اجلاس تمام ہوا۔ اس کے بعد مقالات کی دو نشستیں منعقد ہوئیں، جن میں پہلی نشست کی صدارت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ اور نظامت مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ نے کی۔ جب کہ دوسری نشست کی صدارت مولانا عزیز الحسن صاحب صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ، زیر قلعہ، غازیپور اور نظامت مولانا مختار احمد صاحب قاسمی صدر مدرس مدرسہ دینیہ، غازیپور نے کی۔ دونوں نشستوں میں مجموعی طور پر کل ۲۲ مقالات پیش کئے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

مقالات:

﴿۱﴾ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی۔ صدر رابطہ ادب اسلامی (ہند) اکبر الہ آبادی اور اصلاح احوال کی کوشش۔ ﴿۲﴾ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی۔ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ جگر مرادآبادی کا کلام اور ان کا مقام و مرتبہ۔ ﴿۳﴾ مولانا عزیز الحسن صاحب صدیقی۔ مہتمم مدرسہ دینیہ، زیر قلعہ، غازیپور۔ مولانا سید عبد الرشید بزرگاوی۔ ﴿۴﴾ مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی۔ صدر شعبۂ عربی دار العلوم

ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔اکبر الہ آبادی ایک داعی اور مربی۔ ﴿۵﴾مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی۔استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔لسان العصر اکبر الہ آبادی کی ظریفانہ شاعری۔ ﴿۶﴾ مولانا قاری ظفر الاسلام صاحب اعظمی۔شیخ الحدیث دار العلوم مئو۔مزاحیہ کلام کے ذریعہ اصلاح احوال کے لئے۔اکبر الہ آبادی کی کامیاب کوششیں۔﴿۷﴾ ڈاکٹر تابش مہدی صاحب۔دہلی جگر مرادآبادی - محبت اور انسان دوستی کا شاعر۔﴿۸﴾مولانا ارشد سراج الدین مکی۔دہلی۔مولانا الطاف حسین حالی اوران کی مسدس۔﴿۹﴾ڈاکٹر الیاس اعظمی۔اعظم گڑھ۔علامہ شبلی نعمانی کی ملت اسلامیہ کے لئے دردمندی۔ ﴿۱۰﴾مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی۔دار المصنفین اعظم گڑھ۔ حضرت اکبر الہ آبادی اور دار المصنفین۔﴿۱۱﴾مولانا مختار احمد صاحب قاسمی۔صدر مدرس مدرسہ دینیہ، زیر قلعہ، غازیپور۔مولانا عبد الاحد شمشاد۔﴿۱۲﴾ڈاکٹر شکیل احمد صاحب۔مئوناتھ بھنجن۔ جلیل مانکپوری ﴿۱۳﴾ مولانا اقبال احمد غازیپوری ندوی۔ استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔مشرقی تہذیب سے اکبر کی وابستگی۔﴿۱۴﴾مولانا سعود الحسن ندوی۔استاد مدرسہ دینیہ، زیر قلعہ، غازیپور۔مولوی محمد علی قاری اور مجموعۂ کلام ''کلیات قاری''۔﴿۱۵﴾مولانا خورشید جمال ندوی۔استاد مدرسہ دینیہ غازیپور۔اکبر الہ آبادی کا کلام اور اصلاح احوال کی کوششیں۔ ﴿۱۶﴾مولانا مسعود عزیزی ندوی۔صدر مرکز احیاء الفکر الاسلامی سہارنپور، اکبر الہ آبادی کے کلام میں طنز و مزاح کے عناصر اور اصلاح کی کوششیں۔ ﴿۱۷﴾ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی۔استاد مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔اکبر کی شاعری کے سماج پر اثرات۔﴿۱۸﴾مولانا عبد الرحیم ندوی۔استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، اکبر الہ آبادی اور فرنگی نظام تعلیم۔ ﴿۱۹﴾مولانا اجمل فاروق ندوی۔دہلی، اکبر الہ آبادی: شخصیت اور فکر خطوط کے آئینے میں۔ ﴿۲۰﴾ مولانا مشکور عالم صاحب۔استاد مدرسہ دینیہ غازیپور۔صمد سرولوی۔﴿۲۱﴾مولانا محمد ذاکر ندوی۔متعلم علیا اولی (فقہ) دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، خواجہ الطاف حسین حالی اوران کی مسدس۔

نیز مولانا علاء الدین صاحب ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ نے ''اکبر الہ آبادی اور مولانا الطاف حسین حالی: فکر وفن کے آئینہ میں'' کے موضوع پر مقالہ تیار کیا تھا، لیکن بذات خود سیمینار میں شریک نہیں ہو سکے، انہوں نے اپنا مقالہ رابطہ کے دفتر میں جمع کر دیا تھا جو سیمینار کی کارروائی میں شریک کر لیا گیا۔

مقالات کی دوسری اور آخری نشست کے ختم پر اختتامی اجلاس کا آغاز صدر رابطہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی صدارت میں ہوا۔ نظامت کا فریضہ مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے انجام دیا۔ سب سے پہلے مولانا عامر رشادی صدر علماء کونسل اور مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنے تأثرات پیش کئے۔ مولانا عامر رشادی نے کہا کہ ایسے سیمینار ہوتے رہنے چاہئیں تاکہ آج کی نوجوان نسل ہمارے بزرگوں کے کارناموں سے واقف ہوتی رہے۔ مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی نے کہا اسلامی ادب کی یہ آواز اس وقت اٹھائی گئی جب ادب بے ادبی کا شکار تھا۔ یہ اس زمانہ کا مرض ہے کہ لوگ بے ادبی کرتے ہیں لیکن ادب کا نام لیکر۔اس کے خلاف حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے آواز اٹھائی، ابتداء میں عرب وعجم میں لوگوں نے اس کی مخالفت بھی کی لیکن اب مخالفت کرنے والے خود اپنی لاش ڈھو رہے ہیں، ضرورت ہے کہ ان کی لاش کو ٹھکانے لگانے میں ہم ان کی مدد کریں۔

اس کے بعد ناظم جلسہ مولانا نذر الحفیظ صاحب نے تجاویز پڑھ کر سنائیں۔اہم تجاویز کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱- لسان العصر اکبر الہ آبادی اردو کے اولین طنز و مزاح نگار اور وہ ممتاز شاعر ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کو مثبت اور

تعمیری سوچ کی اشاعت کا ذریعہ بنایا، اور اسلامی و مشرقی قدروں کے خلاف انگریزی سامراج کی طرف سے تھوپی جانے والی تہذیب اور ثقافت کی مضرت کو واضح کیا، انہوں نے طنز و مزاح سے وہ کام لیا جو کوئی سنجیدہ اہل قلم اپنے مضامین و مقالات سے اور خطیب و مقرر اپنی تقریر و خطابت سے لے سکتا ہے۔ اکبرالہ آبادی گو کہ طنزیہ و مزاحیہ شاعر ہیں، لیکن ان پہلوؤں کو موضوع سخن بنایا جو اہم اور سنجیدہ ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں وہی مسائل اٹھائے ہیں جو فکر و ذہن کو مطمئن کرتے ہیں۔

۲- باطل عناصر نے ادب کو جو اپنی جاگیر سمجھ رکھا ہے اور اُسے اپنے ذہن و فکر کے مطابق استعمال کرتے ہیں، اُسے سرگرمی کے ساتھ صحیح رخ پر چلایا جائے، اور موثر اور احسن انداز سے شعری و نثری فن پارے پیش کئے جائیں اور ان فن پاروں کو عالمی رابطہ ادب اسلامی کے اردو ترجمان ''کاروانِ ادب'' اور دوسرے علاقائی و مقامی جرائد و رسائل کے ذریعے تمام پڑھے لکھے طبقوں تک پہونچایا جائے تاکہ سماج میں صالح قدروں کو پھیلنے میں مدد مل سکے۔

۳- بحث و مذاکرہ کے لائق ایسے عناوین اچھی خاصی تعداد میں ہیں جن پر سیمینار کی شکل میں گفتگو کی جاسکتی ہے تاکہ ان کے ذریعے عوام و خواص کو ادب کے وسیع مفہوم سے متعارف کرایا جاسکے، لیکن سیمیناروں کی تعداد اتنی کم ہے کہ ان کے لئے برسوں لگ جائیں گے، اگر انہیں ایک ایک روزہ شکل دے کر منعقد کرنے کا پروگرام بنالیا جائے تو داعیان کو بھی سہولت رہے گی اور زیر غور موضوعات کو جلد سے جلد عملی جامہ پہنایا جاسکے گا۔

۴- جس طرح سے اکبرالہ آبادی پر مستقل سیمینار کیا گیا، یا اس سے پہلے شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری پر کیا گیا، اسی طرح سے خواجہ الطاف حسین حالی، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی، شفیق جون پوری، مولانا محمد ثانی حسنی، شہباز امروہوی، حفیظ جون پوری اور دیگر صالح ادب کے حامل شعراء پر بھی پروگرام منعقد کئے جائیں۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ ایک پروگرام اردو شاعری کے ارتقاء میں علماء کے حصے کے عنوان سے منعقد ہو جس میں مختلف مسالک و نظریات کے شاعر علماء کا احاطہ کیا جاسکے۔ اسی طرح خواتین شاعرات کے عنوان پر بھی ایک سیمینار کیا جاسکتا ہے۔

صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے اپنے اختتامی خطاب میں فرمایا کہ مغربی تہذیب کو عام کرنے کی کوششیں ہوئیں، ان کا مقابلہ ہمارے بزرگوں نے مختلف پہلوؤں سے کیا۔ ارتداد پہلے سائنس کے راستے سے آیا، پھر تاریخ کے راستے سے اور اب ادب کی راہ سے آرہا ہے، اگرچہ اب اس میں کمی آگئی ہے لیکن ابھی بھی اس کے اثرات ہیں، اسی کے مقابلہ کے لئے آج سے تقریباً تیس سال قبل رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ رابطہ نے بتایا کہ ادب اور مذہب دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے کا تعاون کر سکتے ہیں۔ غازیپور اور اعظم گڑھ دونوں قریب قریب ہیں، یہ دونوں علمی علاقے رہے ہیں، اور آج بھی علم و ادب کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں۔ مولانا عزیز الحسن صاحب کی خدمات اس سلسلہ میں قابل قدر ہیں۔ ہمارے سامنے اب جو میدان عمل ہیں انہیں میں ایک میدان ادب کا بھی ہے، ہمیں تجاویز کی روشنی میں آگے بڑھنا ہے اور اس کارواں کو آگے بڑھانا ہے۔

سیمینار کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ نیز مدرسہ دینیہ غازیپور کے طلبہ اور ڈاکٹر تابش مہدی اور انیس پرخاصوی صاحب نے نعتیہ کلام پیش کیا۔

مولانا عزیز الحسن صاحب صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی دعاء پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ جلسہ ظاہری اور معنوی ہر اعتبار سے کامیاب رہا، جس میں لکھنؤ، دہلی اور سہارنپور کے علاوہ غازیپور، اعظم گڑھ اور اطراف کے علماء و ادباء خاصی تعداد میں شریک ہوئے۔

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ سیمینار کے مقالات کی عربی تلخیص

مولانا محمد فرمان ندوی

تلخيص مقالات عن الندوة الأدبية لرابطة الأدب الإسلامي العالمية

تعريب وتلخيص : محمد فرمان الندوي

افتتاحية العدد :

فضيلة الشيخ محمد الرابع الحسني الندوي

إن ما منح الله تعالى الإنسان من مواهب وصلاحيات تكون مساعدة له في قضاء حياته ، خاصة وقت مواجهة الأحوال المتنوعة والأوضاع المستجدة ، وتكون أكثر تفاعلا في الحالات المنوعة والمقتضيات الناشئة من الحياة ،حسب الزمان والمكان، وإن ما يأتي من وجهات نظر مختلفة للحب والبغض في هذه الصلاحيات يتجلى ذلك فى صورة الذوق ، ويأتي في إطار الفن والأدب ، ويكون هذا الأمر من جانبين : المعلم والمتعلم ، هكذا يظهر الفن والأدب عمليا .

تارة يختار الإنسان نظرا إلى الأسباب الخارجية عملا لا يكون موافقا لذوقه الأصلي، فإنه ينسب إلى العمل الذي ا ختاره ، ويعد في طبقة الرجال الذين اختاروه عمليا ، ويستخدم صلاحياته في هذا المجال ، لكنه يرتبط مع ذلك كله بالذوق الذي يو جد في طبيعته ، ونجد لذلك أمثلة أن رجلا يباشر عمله في العلوم الرياضية ، لكنه يقدم عملا مثاليا في مجال الأدب بذوقه الفطري ، رغم أن العلوم الرياضية ليست فنا ، بل هي علوم محضة، وهكذا مجالات أخرى يخوض فيها رجل يحمل ذوقا فنيا وأدبيا بالعمل ،لكنه يرتبط بذوقه ارتباطا قويا مباشرا ،وقد عرفنا عددا من الشعراء والأدباء ، الذين اختاروا مجالا غير أدبي ، لكنهم أثبتوا جدارتهم في الأدب، وله أمثلة كثيرة .

إذا ألقينا نظرة على الأوساط العلمية الدينية تجلى لنا اسم الشيخ عزيز الحسن مجذوب ، خليفة حكيم الأمة الشيخ أشرف علي التهانوي (١٩٤٣م) ، واتبع هذا النهج الشيخ المقرئ صديق أحمد الباندوي(١٩٩٧م) والشيخ الرباني محمد أحمد البرتابكدهي ، والشيخ محمد الثاني الحسني الندوي ،الذين قدموا نما ذج للشعر الرائع ، رغم كونهم في الأوساط الدينية .

كان العالم الرباني الشهير والداعي الشيخ محمد أحمد البرتا بكدهي رحمه الله ، يمتع أصحابه وتلاميذه بالشعر الإسلامي الجميل رغما من نشاطاته الإصلاحية والدينية، وكان مجاله الأصيل التوجيه والتربية الروحانية، لكنه لم يترك ذوقه الفني ، فإن الرجال الذين يحملون الذوق الشعري والأدبي يتمتعون بقراءة شعره ، وقد اعترف بعض النقاد الماهرين في الأدب بخصائص شعره .

نظرا إلى هذا الجانب المهم قرر فرع مكتب الولاية الشمالية في الهند لرابطة الأدب الإسلامي العالمية، موضوع ندوته: **الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي ومكانته الشعرية**. فعقد ت في إله آباد ، وكانت الندوة قدحازت نجاحا ، واعترف بخصائص شعر الشيخ محمد أحمد البرتاب كدهي، فهذا العدد لمجلة كاروان أدب يشتمل على المقالات المنتخبة لهذه الندوة .

أرجو أن الرجال الذين يحملون ذوقا أدبيا يعجبون بهذا العمل الأدبي الشعري أيما إعجاب إن شاء الله تعالى .

مكانة العالم الرباني الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي الأدبية

سعادة الشيخ الجليل السيد محمدالرابع الحسني الندوي حفظه الله ورعاه
(نائب الرئيس لرابطة الأدب الإسلامي العالمية)

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد :

فنرحب بكم أيها الحفل الحضور على قدومكم الميمون للاشتراك في هذه الندوة الأدبية ، التي مازال موضوعها العام التعبير عن الأحاسيس الإنسانية بالأدب بصدق وأمانة ، وتعقد هذه الندو ة من قبل مكتب فرع الولايات الشمالية للهند لرابطة الأدب الإسلامي في المؤسسة التعليمية والتربوية المشهورة باسم دار المعارف الإسلامية كريلي بإله آباد ، ، قد مرت بفضل الله تعالى على تأسيس رابطة الأدب الإسلامي ثلاثون سنة ،فوضعت الرابطة نصب أعينها إبراز الاتجاه الإسلامي للأدب عمليا ، وجعلته همه الوحيد ، نظرا إلى الأدب الغربي الذي كان يهتم بصرف عنايته من القيم الإنسانية العليا، فعم اتجاه خاص عن فصل الدين من الأدب ، لأن الغرب قد أخرج الأدب من دائرة الحيلة ، كانت الحاجة ماسة إلى أن تؤسس منظمة لإعادة الحق الفطري البناء للأدب ، ، فأقيمت رابطة الأدب الإسلامي، وعقدت لها مؤتمرات وندوات ، بين حين لآخر ، في أمكنة متعددة ، ولا تزال تعقد .

نحن الآن نسعد بعقد ندوة من مثل هذه الندوات في إله آباد ، من خصائص هذه المدينة أنها توجد فى اسمها نسبة إلى الله ، فننسبها إلى الله تعالى ، ، ثم وقع هناك تعديل يسير ، فلم يتغير اسمها ، ولم تتبدل نسبتها ، وتكتب هذه المدينة باللغة الإنجليزية (ALLAHABAD)، وكلاهما واحد ، لعل أثر ذلك قد ظهر في أن هذه المدينة لها علاقة قوية بالدين، ، وتوجد محكمة عالية لولاية أتر برديش فيها ، ، فإن الماهرين في القانون الإسلامي مكلفون باستعمال صلاحيتهم وجدارتهم بكل عدل ، وتحمل الحياة الحضارية والثقافية مكانة وقيمة ، ، ورغم ذلك كله أن عديد ا من الشخصيات جعلت هذه المدينة منزلا ومكانا للتربية والتعليم ، ولاسيما العالم الرباني الشيخ الجليل وصي الله الفتحفوري ،

(هذه خطبة رئاسية لسعادة العلامة الشيخ السيد محمد الرابع الحسني الندوي، ألقاها بمناسبة الندوة الأدبية لرابطة الأدب الإسلامي لشبه القارة الهندية، التي انعقدت في إله آباد، تحت إشراف دار المعارف كريلي، بولاية أترابراديش، الهند، في نوفمبر عام ٢٠١٠م).

والشيخ المفضال محمد أحمد البرتابكدهي ، ، وهناك زوايا ودوائر تربوية ، أنشئت فاستفاد الناس منها، وقد قدم العالم الرباني الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي انطباعاته القلبية في أسلوب أدبي مع اشتغاله بالتربية والإصلاح ، اعترف به الأدباء والنقاد للأدب الإسلامي ، وطبع ديوانه في صورة كتاب ، وهو قيم عند أهل الأدب والنقد كذلك .

كانت كلمة الأدب تستعمل في قديم الزمان في معنى السلوك الحسن والخلق النبيل ، وكانت تستعمل طريقة استعمال الألفاظ الصحيحة لجعل الأدب جذابا، ومؤثرا ، ، لتقبل النفس على قراء تها و تأخذ من القلب كل مأخذ، وإن فائدة تأثيرأي كلام أنها تبعث على العمل ، ذلك لأن القول الذي يكون في الدماغ لا يكون باعثا على العمل ومؤثرا فيه، الحقيقةأن الكلام الجميل يكون ترجمانا لصاحبه، فكان يستعمل كلام ذو تأثير لكسب رحمة الله تعالى، وطلب الحاجة منه في قديم الزمان، توجد نما ذجه في الأدعية و كلمات المناجلة مع الله والمديح النبوي، وإن التأثير الذي كان يكمن في الكلام الجميل صار مطلوبا شيئا فشيئا، و يسمى باسم الأدب، وإن القاعدة الأساسية لجعل كلام جذا با وذا تأثير هي أن يكون لدى صاحبه معرفة بالمناسبة والموضع ، و يكون مطلعا على الأسلوب المناسب الذي يجعل الكلام موافقا لذلك، وإن هذ ه الصلاحية لا تحصل لكل واحد، فكل من وفق إلى إحراز ها استعملها حسب الأحوال والظروف، فالناس يتأثرون به، ويولون من العناية والاهتمام به، ويظهر نتيجة لهذا الكلام المؤثر، و الشعر الذي يتكون من السجع والقافية يأتي إلى حيز الوجود، فيرغب الناس في قراء ته، وترداده .

إن تقديم الكلام الجميل مع مراعاة الضرورة والموضع يجعل الكلام مفيدا، وإلا يكون متعة وحديثا عن النفس، وينحرف به الطريق إلى التقليل من قيمة القيم الإنسانية، أوالانصراف إلى وجهة أخرى، إن مدلول الأدب الحقيقي هو أن لا ينحرف الأدب من التعبير الصادق عن الإحساس وصدق القلب ويجنب من عدم الشعور بالهدف، وكونه مضادا للقيم الإنسانية، و أن يوفي بمقتضيات قوة حب الخير للإنسان، إننا نجد هذا العنصر في بداية تاريخ الأدب الأردي، ووجد هذ ا بوجه خاص في شعر هذ ا العهد، ولا سيما جانب السلوك والتزكية فيه من نتاج هذ ا العهد ، فقد ظهر عنصر الحب الإلهي الذي كان يتميز بخصائص، ومميزات في الشعر الأردي، وإن الشعراء الذين يتصفون بالصفة الربانية يحملون انطباعات خالصة قلبية، تارة بتصريح ذلك الشيئ، وتارة بالرمز، وإن طريقة الرمز تحمل تأثيرا كبيرا ، لذلك اختارها الشعراء ، بمقدار أوفر، ولا شك فيه أن عصرنا الحاضر يتميز بذكر أخيلة حرقة القلب الصالحة عند الشعراء المحبين للصلاح، فإن الرجال الذين يحصرون الأدب في دائرة المتعة يفصلون الشعر والأدب من الادب، إن شعر العالم الرباني الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي نموذج صالح للمستوى الرفيع والهدف الأعلى، فغض النظر عنه نوع من الاعتداء ، وغمط الحق، إن رابطة الأدب الإسلامي تخرج الأدب من دائرة

المتعة وتأتي به إلى أفق أعلى وأوسع، فإن ندوتنا هذه ذريعة لإتمام هذا الهدف، واختير لذلك موضوع العالم الرباني الشيخ محمد أحمد الفولفوري و كلامه الشعري الذي يحمل خصائص بارزة.

الواقع أن ما يوجد من آثار وانطباعات و حرقة وتعبير عن عاطفة مؤثرة في كلام الشيخ ينبغي أن يقال : كل ما صدر من القلب وصل إلى القلب، سواء قبله الدماغ أو لم لم يقبله، لكن ينال هذا القول في عالم القلب قبولا عاما، والحقيقة أن مجال الشعر هو عالم القلب.

يتجلى من خصائص شعره العرفان بالنفس ، والاستماتة في سبيل الله ، والفداء الكامل للمحبوب ، وتظهر حرقة العشق والمعرفة والحب بكل وضوح .يتحدث الشيخ عن تواضعه وفنائه في ذات الله :

"هذا نداء القلب أني لست بشئ، وأفتخر بأني لست بشئ، إن كوني شيئا سبب ذلتي و مسكنتي ، هذا شرف لي أني لست بشئ، لا يفهم رجل عاقل هذه النكتة ، هذا سر الحب أني لست بشئ، لست جديرا بأن أنال هذه النعمة العظمى، هذه معجزة العشق أني لست بشئ ، أفدي روحي ومهجتي على كرمك وفضلك يا رب ! ، وإن شأني رفيع عال أني لست بشئ ، هنيئا لكم أيها الناس ! بفيض الحب، وإن قلبي ليس مريضا من أني لست بشيئ ، يا أحمد ! كل نغمة لك رسالة الحب ، وهذا الصوت ندي طرى أني لست بشئ."

ليس هذا ادعاء من الشيخ لسانا و جهرا، بل تجلى ذلك في سلوكه وعمله و أسلوب كلامه، وكل من لقيه يعرف تواضعه ، وهضم نفسه وأحوال حبه ، ، كان ضعيفا من حيث الجسم ، وما زال مصابا بأنواع من الأمراض ،لكنه كان مقداما إلى المواساة وإبداء الحب للآخرين، فكان شخصية تحب كل واحد سرا وعلنا ، مكرما للإنسانية ، رفيع الشأن ، فليس شعره مجموعة للألفاظ وصورة للتظاهر بالأدب ، بل هو تعبير صادق عن القلب الإنساني ، فكان يأخذ بمجامع قلوب الناس و يقدم لهم تحفة رائعة لحديث القلب.

إن ما رأت الدنيا من روائع الزهد والتقوى والدعوة وإصلاح الباطن ، في حياة الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي، تجلت به ميزة حياة أولياء الله ومكانتهم ، واستفاد مئات من الناس منهم، لكن العالم الرباني الشيخ محمد أحمد تمتاز من بينهم بأسلوبه المحبب إليه،فكأنه كان مثل أب شفوق أو أخ حبيب ، وإن المنتمي إليه حينما رآه أنه سر بقدومه واضطرب من ذهابه ، كان محاطا بالعجب المحير للعقول ، وينشد بهذه المناسبة : إن قدومك روح السرور في شعوري ، لكن ذهابك ظلم ، وغم وحسرة وقيامة .وإن كان أحد متحيرا من تعامله و متعجبا منه مرارا منه وتكرارا ، فزال من رؤيته ،ومشاهدته ، وإن الشيخ لا يكون ثقلا على أحد ، بل كان يجعل المنتمين إليه مدينين له بشفقته وأخلاقه ، كان الشيخ قد أنهكته أنواع من الأمراض التي تقض مضجعه ، وقد ترك غذاءه في آخر حياته ، فلم يكد يتناول إلا ثلاث لقيمات أو ملعقين وثلاث ملعقات ، وكان في معدته مرض

الضراط ، فكان جسمه ضعيفا ، والضعف يغالبه ، لكن المنتمي إليه يشعر أنه معافى في بدنه ، ، وكان يعامل الناس معاملةو يقوم با لإجلا ل والتكريم لهم ، و يتكلم كلاما مفيدا جميلا ، وتارة ينشد أبياته حسب الأحوال والظروف .

وكان كلامه يدور حول الدين و الكلمات التي ترضي الله تعالى ، وكانت موعظته مشتملة على الخطب ، بأسلوب سهل ، وتجمع بين معاني ذكر الله وفكرة الآخرة و صلاح الأعمال و ابتغاء وجه الله ، و تحمل أثرا كبيرا .

إن كلام الشيخ يشتمل على الخصائص الأدبية و كا ن المستوى الصالح الرفيع للشعر والأدب ، وكانت فيه متعة طيبة للرجل المحب للشعر، وإن أحاسيس الحب والعشق وأداء ها الجميل يعطي الطالب ذوقا أدبيا مستقلا . ، وقد طبعت هذه الأبيات في صورة ديوان باسم "عرفان محبت"، وقبلته العامة والخا صة ، وكان هذا الديوان الذي اعتبر أهل النقد والأدب نمو ذجا للأدب الصالح. وقد طبع هذا الديوان بتوجيه ورعاية فضيلة الشيخ محمد قمر الزمان الإله آبادي الذى يعد أحد خلفائه في السلوك و التربية، وشرح شرحا وافيا باسم فيضان محبت، فتناوله الناس، ومن بواعث الفرح والسرور أن الشيخ قمر الزمان يستضيف هذه الندوة في إله آباد ، وقد أقام العالم الرباني محمد أحمد في مدرسته دار المعارف الإسلامية إلى مدة، و سعدنا نحن كذلك للحضور في خدمته والإقا مة في مدرسة الشيخ قمر الزمان ، وإن وجود الشيوخ أمثال نجل العالم الرباني الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي الشيخ إرشاد أحمد والشيخ محمد حسيب رهبر والشا عر أنيس الفرخاصوي، وأبناء الشيخ الجليل قمر الزمان الإله آبادي وخاصة الشيخ مقبول أحمد في هذه الندوة و مساهمتهم في إنجاحها جدير بالشكر والاعتناء به، وإن ما ساهم الشيخ محمد عمار أحمد أحد تلامذة الشيخ محمد أحمد البرتا بكدهي ومدير مدرسة أفضل المعارف ، في هذه الندوة هو عمل مشكور ، وماعداهم من الشخصيات المشهورة للأدب ولاسيما البروفيسور شمس الرحمن الفاروقى الذي ليس هو أديبا فحسب، بل يعد من كبار النقاد في الهند ، شرفوا هذه الندوة ، وأضافوا من قيمتها الأدبية بوجودهم.

كانت في هذه المدينة شخصية الشاعر الإسلامي المحترم البروفيسور طفيل أحمد المدني، الذي انتقل إلى رحمة الله تعالى قبل أيام بعد معانلة من المرض ، لا تزال ذكرياته خالدة في قلوبنا بهذه المناسبة ، لو كان حيا لكانت مشاركته في هذه الندوة بارزة، ، لكن كان قضاء الله تعالى أن هذه الندوة لم تنعقد في حياته. رحمه الله تعالى رحمة واسعة .

نشكر بهذه المناسبة جميع من قاموا بأي خدمة في إنجاح هذ ه الندوة ، و ندعو الله أن ينمي عواطف تعلم العلم والأدب ، وحب الخير، ويحصل لنا دعم لتوسعة نطا ق الأدب الإسلامي من جميع المؤسسات والهيئات والمدارس و الزوايا .

ربنا تقبل منا ، إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم (آمين)

العالم الرباني الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي والحب الإلهي

سعيد الأعظمي الندوي

(مديردارالعلوم ندوة العلماء، لكناؤ)

إن الإنسان ليس عبارةعن اللحم والدم أوالصورة الظاهرة فقط، بل إن الله قدأفاض عليه لباس الجامعية، وجعله أشرف الخلائق، لأنه يجمع بين العقل و العاطفة، والقول و العمل والخوف والرجاء والدعو ة والمحبة ، ويوجد سر هذه الجامعية في القرآن والسنة، فالذين يمثلون الدين أصدق تمثيل في حياتهم، ويولعون بتعاليم الكتاب والسنةو يعملون بها باختيار الطريق المستقيم، تكون حياتهم مرآة صادقة للأسوة الحسنة، ويحظون بحب الله تعالى، ولا يتحقق عندهم معنى حب النبي ﷺ إلا باتباع سنة النبي ﷺ في كل صغير وكبير، وقد قال رسولنا العظيم محمد ﷺ: لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين.

(رواه البخاري : رقم الحديث ١٥).

إن الشيخ الجليل محمد أحمد البرتا بكدهي قد أثر فيه حب النبي ﷺ ، نتيجة لذلك جعله الله شاعر الإيمان والإسلام ، فاستند إلى الشعر لتصوير عواطف حبه وأضاف إلى أقسام الشعر صنفا آخر، وهو شعر الحب .

يقول في حمد الله تعالى :

"أنت مالكنا وأنت رب العالمين ، نسجد أمامك ، ونستعين بك ، فأنت الأول وأنت الآخر ، أفدي روحي ومهجتي عليك ، خلصني يا رب من كيد الشيطان ونجني من آفات النفس" .

كان الشيخ محمد أحمد من العلماء البارزين من القرن العشرين ، يحتل مكانة رفيعة بين علماء الشريعة، وكان قد أخذ التربية من الشيخ الجليل العارف بالله فضل رحمان الكنج مراد آبادي، ويعد أحد تلاميذ الشيخ بدر علي الشاه البررة، وقام بدور كبير في مجال الدعوة والتربية، بتواضعه وزهده في الدنيا، وكان شعره بمنزلة الغذاء الروحي، ينطبع عليه عنصر الحب الصادق، قد اصطبغ بصبغة الله وكان يجمع التزكية والإحسان والشريعة الإسلامية، يظهر من أسرة وجهه الحب الإلهي، وكانت صفاته الموهوبة، وورعه وتقواه و حكمته ودعوته جديرة بالتقليد والاتباع . هذا الذي رفع من قيمته، وشأنه.

تحدث الشيخ في كلامه الشعري عن الحرم المكي والمدني ، وأرض المدينة المنورة ، والمشاعر المقدسة،

وكل ذلك في أسلوب شيق ، جميل جذاب .

إن شاعرا عربيا (وهو الشاعر العباسي أبو فراس الحمداني) قد أبدى حبه الخالص لسيده في غاية من البلاغه والبيان ، وكلامه على ما يأتي :

وليتك تحلو، والحياة مريرة
وليتك ترضى، والأنام غضاب
وليت الذي بيني وبينك عامر
وبيني وبين العالمين خراب
إذا صح منك الود، فالكل هين
وكل الذي فوق التراب تراب

لكن شيخنا العالم الرباني قد استعمل هذا الأسلوب لله عز وجل ، فأصاب بحمد الله وفضله، يقول :

"سأسيل الدموع المهراقة لإرضاء الله عز وجل و أحيي بذلك الهمم الفاترة، أذكرك يا رب دائما، وأعمر قلبي باسمك، الواقع أن ذكر الله يبدلنا بلذة الجنة والنعيم، إن ثمن حب الله هو فداء النفس والمال في سبيل الله، وأحكي أمام الناس قصة الحب الإلهي، وأجعلهم مولعين ومشغوفين به".

انظروا كيف أبدى الشاعر الهندي حبه الإلهي أمام الناس واستمات فيه ، أما ما يوجد من عاطفة جياشة نحو الله في هذا الشعر في اللغة الأردية لاأستطيع أن أعبر عنها . ويقول :

"إن طريق الحب ليس طريقا معبدا، بل إن الشى طان لبالمرصاد في عباد الله المتقين ليختطفهم ، ويلقيهم في حبالته"

ويقول في قصيدة أخرى:

"احذر أيها السالك في طريق الحب ، وتخوف من الشيطان ، لئلا يختلسك الشيطان ، تنبه ، إن هناك قطاع الطريق، والسراق ، امش بكل حيطة لئلا تنهب . إن القلب يقول : لا تذهب إلى أي مدى ، الواقع أنه قصة الحب ، لكن من يفهمها" .؟

إن الشيخ محمد أحمد كان متمتعا بحب الله تعالى ، فإنه لا يقر بإصلاح محدود ، ، بل تسع دائرة إصلاحه الأمة الإسلامية أولا ثم الانسانية ثانيا ،إنه يرى أن ضعف المسلمين اليوم جراء عدم تشبثهم بالكتاب والسنة ، فكان يحرض الناس على التمسك بكتاب الله تعالى، وقد قرض قصيدة عن القرآن الكريم يقول فيها:

"إننا قد حرمنا حب الله ، لأننا قد نسينا التعاليم القرآنية، إن القرآن هو الرسالة الأخيرة لله عز وجل ، فالسعادة والبركة لمن عرف مكانته ،إن القرآن هو الذي أحيا القلوب ، وأزال مصائب الناس عنهم ، فالقرآن نور وبركة ، إنه يفيد كل من يستفيد منه، و القرآن غذاء وشفاء ودواء، يرتقي بواسطته الإنسان درجات الروح ،لا يستطيع الإنسان أن يحصي بركته ونفعه ، إنه يهدي الناس إلى الصراط المستقيم ويجعلهم ربانيين .

ديوان "عرفان محبت" في ضوء العرفان بالنفس والحب

بقلم : البروفيسور عبد القادر الجعفري (إله آباد)

كان الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي متحليا بالأخلاق النبوية ومتصفا بالأسوة الحسنة ، وكان أنموذج السلف الصالح ،كان كلامه الشعري يشرح مهمات الشريعة والتزكيةمع التعبير عن الأحاسيس والعواطف والأحوال المتنوعة للحب ، ليس من الإنصاف أن نعد الشيخ في زمرة الشعراء والقارضين للشعر، بل الحق أن نعرف مكانته و نحله في مكان لا ئق به ،إن كلامه الشعري انطباعات قلبية ربانية ارتسمت على قلبه -و تعاليم قرآنية و حديثية ظهرت في صورة الشعر ، فكان شعره يأخذ من القلب كل مأخذ.

كان الشيخ سابحا في بحر الحب الإلهي وغواصا فيه ، فكان يعرف جد معرفة ما الحب لله وما الحب للدنيا وحطامها ، وقد قال الشاعر الهندي من قبل شعرا أبدى فيه : أن الحب (للدنيا)جعلني رذيلا ، لأنى كنت من قبل إنسانا يعقل ويفهم فصرت هيمان. لما اطلع الشيخ البرتابكدهي على هذا الشعر فغيره إلى الحب الإلهي وقال : جعلني الحب إنسانا عظيما ، لأنني كنت من قبل رجلا عاديا .

إن كلام الشيخ الشعري ليس شعرا ،بل هو كلام يشتمل على الحب الإلهي، وكان محور شعره التوحيد والرسالة والحب والشريعة لا الزهر والعندليب وكان شعره يشبه الرومي والعطار .

الجمال الفني لكتاب" عرفان محبت" للشيخ الرباني محمد أحمد البرتابكدهي

بقلم : البروفيسور ظفر أحمد الصديقي (علي جراه)

إن الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي مثل الشاعر الفارسي الشيخ السعدي والشيخ جلال الدين الرومى، والعراقي والجامي من العلماء الربانيين ، تحدث في شعره عن الحب الإلهي، فكان مثل الشيخ السعدي مفطورا على الحب، وإن شعره مفعم من أوله إلى آخره بالروحانية، فلا شك أنه يبعث في القلوب عاطفة زوال الدنيا وعدم ثباتها .

قال الشاعر الإسلامي الأستاذ ألطاف حسين حالي عن الشيخ السعدي : إنه يعطي الحقيقة صورة المجاز، الواقع أن هذا لا يخصه ، بل إن الشعراء الفارسيين عامة يختارون هذا الأسلوب في الغزل، لكن شعر العالم الرباني يمتاز في هذه الناحية أنه لا يظهر الحقيقة في صورة الكناية والمجاز والاستعارة، بل يقدم الحقائق في صورة ظاهرة .

يقول بمناسبة : أين أنا وأين هذا الإيمان الغالي والله ليس هذا إلا من فضله سبحانه، لما عرفت نفسي صرت أسيي الظن بها ، ، فكل من وكل نفسه إلى الله عاش خالدا مخلدا في الدنيا والآ خرة .

من خصائص شعره أنه يصدر من روح شفافة، فكما أنه كان صورة رائعة للحب والفداء فكذ لك شعره يتصف بهذه الميزة فلا تو جد في شعره الموضوعات التقليدية للغزل، بل يمتلئ بالحب والعرفان بالنفس وبالله تعالى، والمحبة مشتقة من الحب (الحب : هو ذر ة صغيرة تكون سبب نتاج النباتات يتصف شعره بالحكم والمعاني الغزيره، وإن صناعة الشعر الفنية ملهمة من الله تعالى في العالم الرباني رحمه الله .

درس التزكية والإحسان في ديوان: عرفان محبت

المفتي زين الإسلام القاسمي
(مفتي دار الافتاء بدار العلوم ديوبند)

روي عن معاذ بن جبل : ذكر الأنبياء من العبادة وذكر الصالحين كفارة. وروي أيضا : عند ذكر الصالحين تتنزل الرحمة، نرجو في ضوء هذه الآثار أن هذه الندوة ستكون لأمثالنا من الناس ذريعة لرفع الدرجات ومغفرة الذنوب.

لا شك أن الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي قد استعمل للتزكية والإحسان أسلوبا يملؤها الحب والقلق الروحي، ومهد سبيل الحب الإلهي في صورة الغزل، فاستعمال مثل هذا الأسلوب يكشف عن خصيصة أدبية لهذ الكتاب، إن الشعر الذي نبع من معين الشيخ نداء رباني ونغمة إلهية كما إشار إليه الأديب الأستاذ ضياء الدين الإصلاحي، ويوجد فيه الولوع بالعشق الإلهي، وحرارة الحب الصادق ولطافة العواطف وطهارتها و منهجية الأخيلة الصحيحة، وشعره ترجمان انطباعاته القلبية و كأس تطفح للحب الإلهي.

إن توجيهات التزكية والإحسان توجد عند المشتغلين بها في النثر عامة، لكن كان عند شيخنا الرباني ثروة لابأس بها من الكلام المنظوم الذي يشتمل على الحب الإلهي، وهي تدل على أن التزكية لازمة لكل إنسان ، لتكون النفس طاهرة من رذائل النفس وتتحلى بالأخلاق الفاضلة .يقول بمناسبة :

"إذا لم تكن التزكية للنفس كانت لها أخطار تلو أخطار، وتكون طول الحياة محاطة بالأفكار الشيطانية"

وقد شرح الشيخ في أبياته منازل التزكية شرحا وحذر من المزالق والمخاطر في ديوانه : عرفان محبت.

الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي وكلامه الشعري المعرفي

بقلم: الدكتور تابش مهدي (دهلي)

إن العالم الرباني الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي (١٨٩٩م- ١٩٩١م) كان من علماء شبه القارة الهندية الربانيين ، وكان من رجال القرن العشرين، الذين ضحوا بنفسهم و نفائسهم في التوجيه والإرشاد للأمة الإسلامية، كان الشيخ معروفا بحبه وتواضعه وزهده في الدنيا، وإزالة كل منكر من المجتمع المسلم، وكان مبتعدا كل الابتعاد من المسائل الخلافية .

كان الشيخ من قرية فول فور بمديرية برتاب كده بولاية أترا برديش، (الهند) تعلم الابتدائية من والده الشيخ غلام محمد، ثم أرسله أبوه إلى الشيخ بدر علي الرائے بريلوي خليفة الشيخ الجليل فضل الرحمن الكنج مراد آبادي، ثم ذهب إلى الشيخ محمد أمين النصير آبادي فرباه أحسن تربية ، وقد أكرمه الله تعالى بمواهب متنوعة من العلم والشعر، فكان يقرض الشعر بداهة، مرة كان يخطب الشيخ منير أحمدأحد معاصريه خطبة جيدة تاثر بها الشيخ فأنشد عدة أبيات في مدحه بدون تفكر وروية.

كان شعره يمتاز بالحب الإلهي وكان يتمتع به حينما يشتغل بقرض الشعر ، وهو ليس مثل الشعراء الجدد، كان كلامه مثل الرومي والسعدي والحافظ الشيرازي، ولا يوجد في شعره كلمات صعبة ولا تعبيرات شاذة ، وكان شعره مثالالأسلوب السهل الممتنع، وكان شعره مجموعة إرشاد وتوجيه للأمة الإسلامية، وتكمن وراء ه قصص رائعة للحب الإلهي .

الشعر الإيماني

بقلم : الأستاذ محمد اشتياق القاسمي (دهلي)

كانت لشخصية الشيخ البرتابكدهي جوانب متعددة، كان مفسرا ، يستفيد من كتب التفسير القديمة والحديثة، وكان لا مثيل له في الجراءة ، وكان متصفا بالأخلاق الحسنة و مجاهدا في سبيل الله تعالى ، أضف إلى ذلك شاعريته .كان الشيخ يشبه في الصدع بالحق بسيدنا حسان رضي الله عنه ، وكان قوله تكبير سيدنا بلال رضي الله عنه ، يقول الشيخ محمد قمر الزمان الإله آبادي: كان موضوعه الحب والألفة ، وكان يتمنى أن تنشأ هذه الروح في قلوب جميع من ينتمي إليه ، بل جميع المسلمين .

كان شعره شعرا إسلاميا وكان يملؤه الحب الإلهي ، وكان يلمح في شعره إلى القصص للتاريخ الإسلامي، فكان شعره مرآة صادقة للعواطف النبيلة في جانب ، وفي جانب آخر مجموعة كاملة للموعظة والنصيحة.

تعريف وجيز بديوان "عرفان محبت"

بقلم : الأستاذ نياز أحمد الندوي البستوي (رائے بريلي)

كان الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي عالما ربانيا، وشاعرا إسلاميا ، يقرض الشعر عن سجيته، ولايجتهد في ذلك اجتهادا بالغا، وكلما أنشد شعرا وقع أثره كل موقع، وتأثر به الحاضرون، كانت أمنية لدى شيخنا العلامة السيد أبو الحسن الحسني الندوي أن يكون شعره مدونا في مجموعة، وتارة يبدي رأيه هذا وقد جعل ابن أخي شيخنا فقيد الدعوة الإسلامية الأستاذ محمد الحسني همه الوحيد، فلايزال يتقاضى من الشيخ البرتابكدهي، ثم وفق إلى أن يرتب شعره في مجموعة، فرتب، وطبع لأول مرة من مكتبة الفردوس، بلكناؤ، لصاحبها أستاذنا العظيم الدكتور سعيد الأعظمي الندوي حفظه الله ، يشتمل ديوانه على ١١٥/ قصيدة ، ويوجد حمد ونعت للنبي ﷺ .

وقال الناقد المعروف الأديب شمس الرحمن الفاروقي:

إن ما يوجد في كلام الشيخ البرتابكدهي من حب إلهي ووجع قلبي ، ومنازل الوصول إلى الحقيقة يذكرنا بالشيخ نياز البريلوي والشيخ عبد العليم آسي ، لكن شعر العلامة البرتابكدهي يمتاز بالبساطة وأسلوب البداهة .

ترجمان الأدب الإسلامي: العالم الرباني محمد أحمد البرتابكدهي رحمه الله

بقلم: محمد فرمان الندوى

كان العلامة الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي عالما كبيرا، وشيخا ربانيا، استفاد من الشيخ بدر علي الشاه استفادة كاملة، كانت حياته نموذجا للإخلاص والربانية، كانت موا عظه ذات تأثير كبير، وهو ابن جوزي العصر الحا ضر، فإنه يحمل القلب ويحمل معه المحبوب، قال الخبراء: إن للقلب ثلاث صفات: الحيلة. الحركة، الحرارة، فكان قلب شيخنا العلامة البرتابكدهي متصفا بهذه الصفات، كان من أهل القلوب، يصدر كل كلامه من القلب، ويؤثر فيه، فلا فى شعره كثرة المجازات والكنايات، فكان كلامه مثل كلام الدكتور محمد اقبال والشاعر حسرت الموهاني والخواجه مجذوب رحمهم الله.

ترك وراء ه في النثر مجموعة خطبه: روح البيان، وديوان شعره: باسم عرفان محبت. وكلاهما مثال رائع للأدب الإسلامي.

قال الأديب المفسر عبد الماجد الدريا بادي في كتابه نشريات ماجد: الأدب الهادف البناء هو الذي يكون في إطار الدين، فوجود الدين في كلام الشيخ مثال لا نظير له، إن الأدباء الإسلاميين قد وسعوا موضوع الأدب الإسلامي إلى: الإنسان والكون والحياه، فقد تناول الشيخ في كلامه هذه الموضوعات

يقول مخاطبا الإنسان:

أيها الإنسان! ابذر بذرة الألفة والمحبة في قلبك، واعمر بيتك بعبادة الله، ولا تسكن الدنيا في نفسك، واجعل الصلة مع الله وثيقة، و طهر قلبك من الرياء والنفاق، وآمن بالله عزوجل.

ويقول عن الحياة:

الحيلة عبارة عن الإطاعة، والغفلة اسم للموت، ليست الحياة التي عرفنا ها، بل الحياة هو الموت، إن ربيع الحياة الموت، والاستماتة في سبيل الله.

ويقول عن الكون:

يا عليم، يا سميع، يا بصير! أنت القادر وأنت الخبير، إن اسمك هو دواء قلبي، وإن ذكرك هو شفاء روحي.

تعبير صاد ق للشعر العربي:

هناك شاعر ان عربيان، يعرف أحدهما بابن الفارض، والثاني بعمر بهاء الدين الأميري، ينتمي إلى بلاد سوريا، ، كان موضوع شعرهما الله عزو جل والطبيعة والكون، فإ ن العلامة الشيخ البرتابكدهي يوجد في شعره توارد شعري، كأنه صاغ في قالب أردي، يقول ابن الفارض:

تقدم كل الكائنات حديثها
قديما ولا شكل هناك ولا رسم

فإن شعر الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي يصور نفس المعنى :

هذه الأرض ، والسماء والشمس والقمر ، كل ذلك دليل على قدرة الله عزو جل

يقول الشيخ عمر بهاؤ الدين الأميرى :

فيا رب يا بارئ الكائنات
ويا عالماً بخفايا الصدور

فإن شعر الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي يصور نفس المعنى :

أنت الخالق وأنت الخلاق وأنت رب الأنفس والآفاق.

الاطلاع على متطلبات العصر :

قال العلامة الكاساني :"من لم يعرف أهل زمانه فهو جاهل"

تتجلى هذه الصورة في كلامه الشعري، فما كان الشيخ شيخا يعيش في الصحاري والغابات، بل كان يعيش بين الناس جذلان فرحان، كأنه كان صورة صادقة لهذ الحديث النبوي"المؤمن الذى يخالط الناس ويصبر على أذاهم خير من المؤمن الذى لا يخالط الناس ولا يصبر على أذاهم"

يقول شيخنا عن هذه الفكرة :

أحيانا البكاء، وأحيانا الضحك، وتارة الاحتراق وتارة أخرى الانطفاء، هذه كلها أنواع منوعة للحب.

يقول معلقا على فساد أحوال الزمان ما معناه في الشعر العربي :

قتل امرئ في غابة جريمة لا تغتفر
وقتل شعب كامل قضية فيها نظر

الشيخ الجليل محمد أحمد البرتابكدهي واطلاعه على المقتضيات العصرية

الأستاذ محمد أجمل فاروق الندوي(دهلي)

إن تاريخ الهند الإسلامي يتميز بوجود العلماء الربانيين الذين قرضوا الشعر الإسلامي، فكانت هذه السلسلة ابتدأت من الشيخ فريد الدين غنج شكر وامتدت عهدا بعد عهد من بو علي شاه قلندر، والشاعر الأمير خسرو والشيخ شرف الدين يحيي المنيري والشيخ بنده نواز گيسودراز، إلى القرن العشرين ، كان فيه الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي .

إن دراسة خاطفة لشعر شيخنا تبين أن شعره حافل بذكر الأمراض التي تلحق بالأمة والأخطار التي تحدق بها ، تارة يخاطب الشعب المسلم ويذكره بمسئوليته، وتارة يحل للمسلمين أزماتهم ويحذرهم من التقليد الأعمى للغرب ، ، ويبعث فيهم ذوق الجهاد وشوق الشهادة ، وتاره يندد الأنشو د ة الشركية التي أجبر مسلمو الهند في زمن على قراء تها ، وأمثال ذلك من الأمور المستحدثة التي ورد ذكرها في شعره.

كان الشيخ يركز على التوحيد الخالص ويفند دعوى الصوفية الجهال الذين ادعوا بسيادتهم في عامة الناس ، وأهاب الناس بأن هذا العمل نوع من التعاون على الإثم والعدوان .

يقول منددا بالأنشودة القومية :

إن النشيد الذي طلب فيه الاستعانة من غير الله لن يكون نشيد المسلمين أبدا .ويقول مستنكرا بتقليدالغرب :

أيها الجاهل ! لقد رضيت بالخزف بتقليد الغرب في هذه الدنيا ، وإلا كانت جنات عدن في الآخرة.

قرارات وتوصيات

لجنة صيانة القرارات

١- تشكر هذه الندوة الله عز وجل على أنه وفق المسئولين عن مكتب رابطة الأدب الإسلامى العالمية لشبه القارة الهندية لعقد ندو ة أدبية حول الشاع ر الاسلامي والعالم الرباني الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي و كلامه المعرفي ، وتقدر جهود المتعاونين في عقد ها.

٢- تشعر الندوة بالحاجة إلى أن يدون كتاب ،يتحدث عن حياة العالم الرباني الشيخ محمد أحمد البرتابكدهي وخدماته الدينية والأدبية، وينشر كلامه الشعري الذي لم يجمع في كتاب ولا في ديوانه : عرفان محبت(معرفة الحب الله) .

٣- أن تعقد مثل هذه الندوات الأدبية بين حين وآن وإن كانت على مستوى في مدن مختلفة ، ليزدهر الاتجاه الاسلامى الديني من خلال الأدب .

٤- أن تعقد ندوات أدبية علمية حول العلماء الربانيين وخدماتهم الأدبية ، وتقدم جهودهم الأدبية والعلمية إلى الوجود .

٥ -أن تدون البحوث والمقالا ت التي ألقيت خلال الجلسات فيها عن الاتجاه الشعري للشيخ البرتابكدهي في صورة مجموعة .

٦ - لقد أحس المشاركون في هذه الندوة بأن هذ العصر عصر الإعلام ، ولا تزال تنشر الأفكار المسمومة الضارة التي تؤثر في الشباب المسلم ، فالواجب على رابطة الأدب الإسلامي أن تكثر من عقد المؤتمرات حول عناوين مختلفة ومواضيع متعددة ، ليسهل من جراء ذلك وقاية الشباب المسلم من الآثار الضارة المفسدة للأخلاق .

٧ ـ أن يوسع نطاق مجلة (كاروان أدب) قافلة الأدب الإسلامي،لسان حال رابطة الأدب الإسلامي ، لتعم رسالتها ومنهجها ـ

٨ ـ ترى الندوة من واجبها أن تقدم كلمة الشكر والاحترام إلى سعادة الشيخ محمد الرابع الحسني الندوي حفظه الله تعالى على أنه وافق على رأ ي الراغبين في عقد هذه الندوة في هذه المدينة التاريخية ـوتشكر كذلك فضيلة الشيخ الجليل محمد قمر الزمان الإله آبادي على أنه استضاف في هذه الندوة حول الموضع المهم ، وكلف لنجاحها أساتذه وطلاب مدرسته دار المعارف الإسلامية والمسئولين عنها ـ

☆☆☆☆

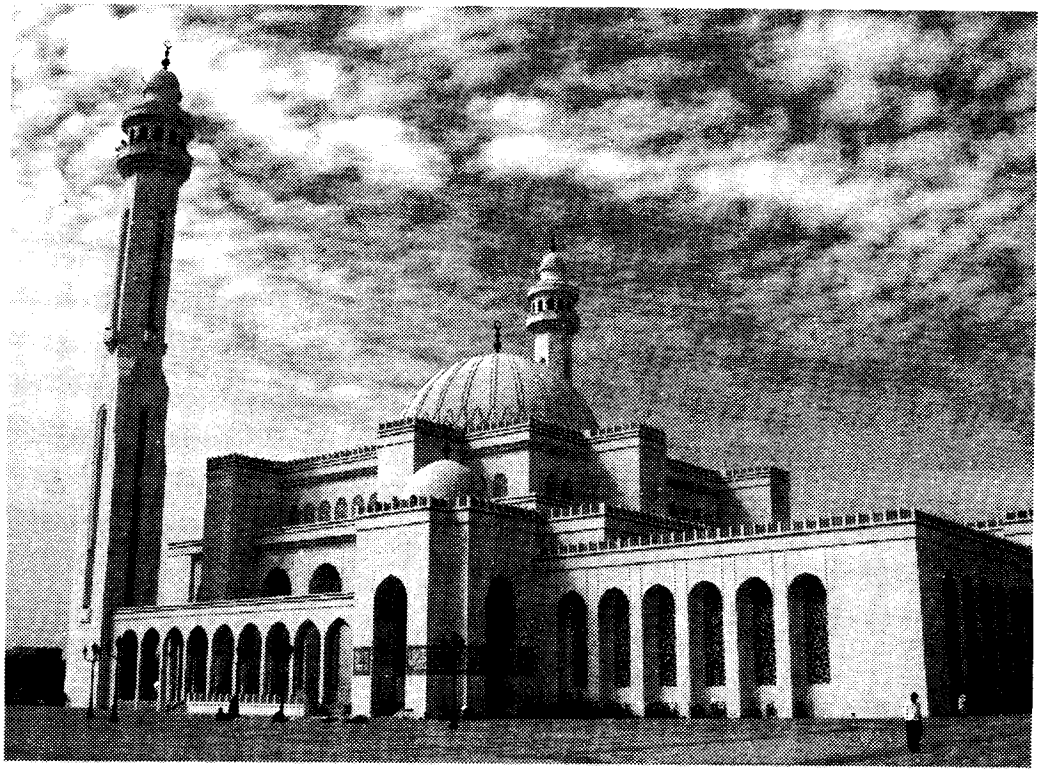

Al-Fateh Mosque, Bahrain

رابطہ ادب اسلامی کے مقاصد

- ادب اسلامی کا فروغ اور اس کے قدیم وجدید خط وخال کو نمایاں کرنا۔
- نقد ادب کے اسلامی اصول کی تدوین۔
- جدید ادبی فنون خاص طور سے افسانہ، ڈرامہ، ناول اور سوانحی ادب کے ادبی معیار کے لئے مفصل نظام کی ترتیب اور ان تمام فنون کو بامقصد اسلامی ادب کے تابع کرنا۔
- تاریخ ادب اسلامی خاص طور پر اس کے نثری سرمایہ کی تاریخ کی تدوین جدید اور مؤرخین نے اس کے جن اعلیٰ نمونوں کو نظر انداز کر دیا ہے، انہیں نمایاں کرنا۔
- قابل قدر اور دلکش ادبی تخلیقات اور نگارشات جو اسلامی ادباء کی جدوجہد کا نتیجہ ہیں ان کی جمع وتدوین اور انہیں مختلف مسلم اور غیر مسلم اقوام کی زبانوں میں منتقل کرنا۔
- غیر اسلامی اور باطل ادبی تحریکات کا مقابلہ اور ان کے عیوب ونقائص اور خطرات سے دوسروں کو آگاہ کرنا۔
- اسلامی تحریکات کی حمایت ونصرت میں اس ادب کا حصہ اور کلمہ حق کے ذریعہ مسلمانوں کا دفاع۔
- اسلامی ادب کو عالمی معیار عطا کرنے کے لئے مختلف ممالک کے اسلامی ادباء سے گہرے روابط پیدا کرنا، انہیں کلمہ حق پر متحد ہونے اور آپس میں تعاون کرنے پر آمادہ کرنا، اس طور پر کہ وہ ایسی اسلامی طاقت بن جائیں جس کا ہتھیار بامقصد ادب اور کلمہ طیبہ ہو۔
- اسلامی ادباء کے مادی اور معنوی حقوق کا دفاع اور ان کے ادبی کام کی نشر واشاعت کے لئے وسائل مہیا کرنا۔